

غالب انتخاب

یعنی نجم الدولہ دیر الملک ، میرزا اسد اللہ خان بہادر ، نظام جنگ دہلوی المتخلص بہ
طالب و اسد کی کلام فارسی و اردو کا انتخاب ، جسے خود موصوف فی
نواب خلد آشیان کی فرمائش پر سنہ ۱۸۶۶ء میں مرتب کیا

بصحیح
امتیاز علی عرشی
ناظم کتابخانہ

حسب الحکم فرمانروای رامپور ، دام اقبالہم و ملکہم

مطبوعہ قیمہ - بمبئی
(مالکان : شرف الدین الکتبی و اولادہ)

۱۹۴۲

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

بارِ اول ۱۹۴۲

فهرست مضامین

قرب							
دیباچه							
انتخابِ غالب، فارسی							
غزلیات							
							
الف : ۳-۲۶							
ب : ۲۶-۲۹							
پ : ۲۹-۳۰							
ت : ۳۰-۶۲							
ث : ۶۳							
ج : ۶۳-۶۵							
چ : ۶۵-۶۶							
ح : ۶۶-۶۷							
خ : ۶۷							
د : ۶۸-۹۹							
ر : ۱۰۰-۱۰۵							
ز : ۱۰۵-۱۰۷							
س : ۱۰۷-۱۰۹							
ش : ۱۰۹-۱۱۴							
ص : ۱۱۴							
رباعیات							

فهرست مضامین

۳۱۸ - ۱۸۳				انتخاب غالب، اردو
۲۹۲ - ۱۸۵				غزلیات
ش : ۲۱۶			الف : ۲۰۶ - ۱۸۵	
ك : ۲۱۷			ب : ۲۰۷	
ل : ۲۱۷			ت : ۲۰۸ - ۲۰۷	
م : ۲۱۸			ج : ۲۰۹ - ۲۰۸	
ن : ۲۳۵ - ۲۱۸			د : ۲۰۹	
و : ۲۴۱ - ۲۳۵			ر : ۲۱۵ - ۲۱۰	
ی : ۲۹۲ - ۲۴۲			ز : ۲۱۶ - ۲۱۵	
۲۰۶ - ۲۹۳				قصاید
۳۱۰ - ۳۰۶				مثنوی در صفتِ ابنه
۳۱۶ - ۳۱۱				قطعات
۳۱۸ - ۳۱۷				رباعیات
۳۳۵ - ۳۱۹				شرحِ غالب
۳۲۶ - ۳۲۰				فارسی
۳۳۵ - ۳۲۷				اردو
۳۴۲ - ۳۳۶				اختلافِ نسخ
۳۳۸ - ۳۳۶				فارسی
۳۴۲ - ۳۳۹				اردو
۳۴۴ - ۳۴۳				اشاریه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریب

نواب خلد آشیان (طَابَ تَرَاهُ) نے، فارسی و اردو کے چیدہ اشعار کی ایک ریاض مرتب فرمانے کے سلسلے میں، میرزا اسد اللہ خان غالب سے فرمایش کی کہ اپنے اردو اور فارسی کلام کا انتخاب ارسال کر دیجے، تا کہ اُسے شاملِ ریاض کر لیا جائے۔ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ع میں، میرزا صاحب نے اس ارشاد کی تعمیل کی، اور یکے بعد دیگرے کلیاتِ اردو و فارسی کے خود کردہ انتخابات جداگانہ کتابی صورت میں نقل کرا کے، نواب خلد آشیان کے حضور میں ڈاک کے توسط سے پیش کیے۔ سرکار کے ملاحظے کے بعد، یہ دونوں نسخے کتابخانے کو بھیج دیے گئے۔ اُس عہد کے منتظمینِ کتابخانہ نے،

تقریب

صرف فارسی انتخاب کو شعبۂ دواوین میں داخل ہونے کا شرف عطا کیا ، اور رسمِ زمانہ کے مطابق ، انتخابِ اردو کو ناقابلِ التفات خیال کر کے ، کتابخانے کے وردی گھر، میں گمنامی کی گہری نیند سلا کر مطمئن ہو گئے ۔ حسن اتفاق سے ، مولوی امتیاز علی خاں عرشی ، ناظم کتابخانہ ، نے وردی گھر، کی متاعِ کاسد کا جائزہ لینے ہوئے ، دوسرے نوادرات کیساتھ اردو انتخاب بھی برآمد کر لیا ، اور میرزا صاحب کی تھکی ہوئی زندگی کا یہ کار نامہ ، ملک کے اربابِ ذوق کے لیے محفوظ ہو گیا ۔

گو میرزا صاحب اپنا اردو اور فارسی دیوان خود شائع کر چکے تھے ؛ لیکن اُنہیں اپنی فارسی زبان کی محنت پڑوہی اور جگر کاوی پر زیادہ ناز تھا ، حسی کہ ایک معاصرانہ طعن کے جواب میں یہ کہ اُنھے تھے :

فارسی بین ، تا بہ بینی قشہای رنگِ رنگ
بگزر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگِ منست

میرزا صاحب کا یہ ادعا بے بنیاد نہیں تھا ؛ اسی لیے خواجہ حالی مرحوم نے "یادگارِ غالب" میں فارسی

کلام کے محاسن زیادہ اُجاگر کیے۔ مگر ملک میں اردو زبان کے پیہم عروج نے، جس کے اثر سے خود خواجہ صاحب بھی بخوبی آگاہ تھے، اہل ادب کی توجہ دیوانِ اردو کی طرف منعطف کی، اور رفتہ رفتہ غالب پسندی اس درجے تک پہنچ گئی کہ ہندوستان نے "مرفع چغتائی، جیسے گراں قیمت نسخے کو بھی ہاتھوں ہاتھ خرید لیا۔

اگر بغور دیکھا جائے تو اردو کلام کے مقابلے میں فارسی کی نامقبولیت کے اندر، پس پردہ یہ حقیقت بھی کام کر رہی تھی، کہ میرزا صاحب نے اردو دیوان کی طرح اپنے فارسی اشعار کا کوئی منتخب مجموعہ اہل ذوق کے سامنے نہیں رکھا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے فارسی اشعار کے بے بہا موتی کم قیمت جواہرات کے انبار میں پوشیدہ پڑے رہے۔ خوش بختی سے، کتابخانہ عالیہ رامپور میں زیرِ نظر انتخاب کے دستیاب ہو جانے سے، جو میرزا صاحب کے ادوارِ عمر میں سے پختہ تر دور کا کارنامہ ہے، یہ کمی بخوبی پوری ہو گئی۔

قرب

اس لیے بعید نہیں کہ اس انتخاب سے سخن سنجوں پر میرزا صاحب کی فارسی شعرگوئی کے غنی جوہر کھل جائیں، اور اس طرح اُن کی وہ آرزو، جو ابتک شرمندہ تکمیل نہ ہو سکی تھی، اس کی بدولت بر آئے۔

پرورشِ علم و ادب کے موروثی جذبے، نیز اس انتخاب کی ادبی اہمیت کی بنا پر، بندگانِ حضورِ پر نور، میجر ہز ہائنس عالیجاہ، فرزندِ دلپیرِ دولتِ انگلشیہ، غلص الدولہ، ناصر الملک، امیر الامرا، نواب سرسید محمد رضا علی خان بہادر، مستعدِ جنگ، کے۔سی۔ایس۔آئی، ایل۔ایل۔ڈی، ڈی۔لٹ، فرمانروایِ ریاستِ عالیہ رامپور، دَامَ اِقْبَالُہُمْ وَ مُلُکُہُمْ، کی ہمایوں توجہ اس کی اشاعت کی طرف مبذول ہوئی۔

عرشی صاحب نے 'مکاتیبِ غالب' کی ترتیب میں جس حسنِ کار اور خوش سلیقگی کا ثبوت دیا تھا، ملک کے مستند ادیب اور نقاد خوش آیند الفاظ میں اُس کا اظہار کر چکے تھے۔ بنا بریں 'انتخابِ غالب' کی تصحیح و ترتیب کا کام بھی زیرِ نگرانیِ عالیہ ترتیب

قرب

صاحبزادہ عبد الجلیل خان بہادر، ہوم منسٹر، انہیں کے سپرد کیا گیا۔ ان کی چند سال کی دیدہ ریزی اور کوشش کے بعد یہ مجموعہ اس قابل ہوا ہے کہ اپنی صوری و معنوی خوبیوں کی بدولت ہندوستانِ ہمایون کی بارگاہِ معلیٰ میں پیش کیا جائے۔

التجا ہے کہ اعلیٰ حضرت اس حقیر ادبی کوشش کو طفرای قبول سے مزین و مفتخر فرمائیں، اور دعا ہے کہ سرکار کے زیرِ سایہ اس قسم کی یشمار کوششیں بار آور ہوں!

دوام دولت و اقبال کا داعی

بشیر حسین زیدی

چیف منسٹر

سیکرٹری ایٹ، رامپور

۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۴۱ ع



دیباچہ

اردو شاعری نے اپنی چھوٹی سی عمر میں جس قدر ترقی کی، مشرقی شعر و سخن کی دنیا میں اُس کی نظیر تلاش کرنا یکساں ہے۔ خالص عاشقانہ چہرہ سے اعلیٰ صوفیانہ جذبات تک، اور انتہائی سادگی سے الفاظ و معانی کے حوصلہ فرسا اغلاق و پیچیدگی تک، کوئی ایسا اندازِ بیان اور طرزِ تخیل نہیں، جو ہندی سختوروں کے دسترس سے باہر رہا ہے۔

بیشک عربی شعر کی معنوی خصوصیت اردو میں شاذ و نادر ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ عربی داں بزرگوں میں شاعرانہ خیالات کے بیاک اظہار کی جرأت نہ تھی، اور غیر عربی داں شاعر سنی سنائی باتوں سے ماہرانہ کام نہیں لے سکتا تھا۔ لیکن فارسی ادب کی ہزار سالہ شکست و ریخت کا نتیجہ: سعدی کی سادگی، حافظ کا ولولہ و جوش، خسرو اور حسن سنجر کی معاملہ، جامی کا تصوف، فغانی و نظیری و عرفی کی پرکاری اور شوکت و اسیر و بیدل کی بوسہ بہ پیغامی، اردو شاعری میں دو ڈھائی سو سال کے اندر ہی اُجاگر ہو چکی ہے، اور آج ہر کافرِ ادب سے بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ

دیا

مشو منکر، کہ در اشعار این قوم
ورای شاعری، چیزی دگر، هست

سوال یہ ہے کہ اتنی کم مدت میں اسقدر عظیم الشان
سرمایہ ادب کس طرح جمع ہو گیا؟

اگر اردو شاعری کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے، تو
اس میں ابتدا سے دو قسم کے شاعر نظر آئیں گے: ایک جماعت
ایسی دکھائی دے گی، جو بیرونی علوم و آداب سے برای نام
واقف تھی، اور دوسری جماعت ایسی ملے گی، جسے عربی و فارسی
میں سے دونوں کے اندر، یا علی الاقل صرف فارسی میں یدِ
طولیٰ حاصل تھا۔ ان گروہوں میں سے اول الذکر کی تعداد اب
سے چالیس پچاس سال اُدھر تک بہت کم تھی؛ کیونکہ انگریزی
زبان کے تسلط و اقتدار سے پہلے، تعلیم کا ادنیٰ معیار فارسی
دانی تھی۔ چونکہ فارسی زبان کا بڑا سرمایہ اُس کی شاعری
ہے اور ہر ایک فارسی پڑھنے والے کو اس زبان کے چیدہ
شاعروں کا بہترین کلام نصاب میں پڑھایا جاتا تھا، اس امر
کے پیشِ نظر غور کیجئے کہ ایک طالبِ علم نے ہند نامہ سعدی
سے شروع کر کے، سکندر نامہ نظامی یا شاہنامہ فردوسی تک،
مثنوی، غزل اور قصیدے کے کئی ہزار شعر سبقاً سبقاً پڑھے
اور روزانہ مطالعہ و بحث کے دوران میں اُن پر غور و فکر کی،
تو کیا سات آٹھ برس کی مسلسل ادبیِ جذ و جہد نے بساطِ
ادب کے ان تازہ واردوں کے سونے ہوئے جذبہ شعر کو

دیا

یدار نہ کیا ہوگا؟ اور کیا یہ نیم رس گروہ، تعلیم سے فراغت کے بعد، اپنے دماغ کے نرم و نازک پردوں سے اس پُر سوز و ساز صنفِ کلام کے نقوش مٹانے میں کامیاب ہو سکا ہوگا؟ عملاً اس امر کے محال ہونے کی وجہ سے یہ ماننا پڑیگا کہ ہندوستان میں فارسی شعر گوئی کی تحریک اور اُس کی حیرت انگیز ترقی میں نصابِ تعلیم کو بڑا دخل رہا ہے، اور خالص ہندوستانی اہلِ ذوق کی فارسی زبان میں سخن گستری کا راز یہ ہے کہ اُنہوں نے دورانِ تعلیم میں سب سے زیادہ اسی صنفِ کلام کا مطالعہ کیا اور اس لیے اسی دریا کے اُتار چڑھاؤ سے اُنہیں زیادہ آگہی حاصل تھی؛ حتیٰ کہ بسا اوقات ملکی ماحول کی معمولی جھلک بھی اُن کے کلام میں نظر نہیں آتی تھی۔

ایجاد و ترقیِ ریختہ

لیکن ہندوستان میں، فارسی شعر گوئی کے آغاز ہی سے، مسعودِ سعدی سلمان لاہوری اور امیر خسرو دہلوی کی طرح، ہندی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہنے والے شاعر موجود تھے۔ ان جداگانہ راہوں کی کلکشت سے طبعیت سیر ہو گئی، اور ذوقِ شعر کو نئی راہ کی تلاش کا خیال پیدا ہوا، تو جدت پسند دماغوں نے فارسی عروض اور قافیہ کی پابندی کے ساتھ، دیسی روزمرے میں ایک نئی روش کی بنا ڈالی اور اُس کا نام ”ریختہ“ رکھا۔ اس مشیلے نے، جو آغاز میں صرف دل کا بہلاوا تھا، انجام میں ایسے شاعر بھی پیدا

کیے، جو اسے سنجیدگی کی نظر سے دیکھتے اور فارسی کے ساتھ اس میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے۔ رقتہ رقتہ بدیسی شعر گوئی کا رواج گھٹتا گیا اور ہندوستان کے ذوقِ شعر کا انحصار صرف شعرِ ریختہ پر رہ گیا۔

چونکہ ابتدائی ریختہ گو، فارسی کے بھی سخنور یا تعلیم یافتہ تھے اور اُن کے پیشِ نظر اس زبان کے ہر دور کے استادوں کا کلام رہتا تھا، اس لئے ریختہ کہتے وقت اُن کے دماغ نے وہی خیال زبان کے سپرد کیا، جو بدیسی زبان میں بارہا پڑھا اور کہا تھا، اور جس کی چمک دمک سے اُن کے دماغ کا گوشہ گوشہ روشن ہو چکا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مختلف مذاق کے شاعروں کی لگاتار کوشش سے، فارسی کی ہزار سالہ ترقی کے تمام اثرات ریختہ میں پیدا ہو گئے۔ میرے نزدیک یہ وجہ ہے اردو شعر و سخن کی کم عمری میں زیادہ ترقی کرنے کی اور اسی پر میں اپنے اس خیال کی بنیاد رکھتا ہوں کہ اردو شاعروں میں جو اچھا فارسی گو تھا، وہی اردو میں بھی بلند پایہ اور عالی رتبہ مانا گیا اور فارسی گوئی کے درجوں کے تفاوت کے اعتبار سے اردو شعر و سخن کی خوبی و برتری کے درجات بھی ہمیشہ متفاوت رہے ہیں۔ چنانچہ میرے نزدیک، خواجہ میر درد، میرزا رفیع السودا، میر تقی میر، مفتی صدر الدین خاں آزرده، حکیم مومن خاں، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، اور خود میرزا غالب کی بلندیء ذوقِ سخن کا یہی راز ہے، اور یہی وجہ ہے ہمارے

زمانے کے دو سب سے بڑے شاعروں : خواجہ الطاف حسین حالی اور علامہ اقبال مرحوم کی برتری اور سر بلندی کی ۔

غالب کا دھوی

آج میرزا غالب کو اردو شاعروں کی پہلی صف کا رہنما تسلیم کیا جاتا ہے ۔ لیکن وہ خود ، کلامِ ریختہ کو اپنے لیے موجبِ تنگ اور فارسی کو باعثِ فخر خیال کرتے تھے ۔ چنانچہ ایک قطعے میں فرماتے ہیں :

ای کہ در بزمِ شہنشاہ سخنِ رسِ گفتہ !
دکی بہ پرگوئی، فلان در شعرم سنگِ منست ؟
راست گفتی، لیک میدانی کہ نبود جای طعن
کستر از بانگِ دہل، گر، نغمہ چنگِ منست
نیست نقصان، یک دوجزوست، ار، سوادِ ریختہ
کان دژم برگی ز نخلستانِ فرهنگِ منست
فارسی بین، تا بہ بینی نقشہای رنگِ رنگ
بگزر از مجموعہٗ اردو، کہ بیرنگِ منست
فارسی بین، تا بہ بینی، کاندراقلیمِ خیال
مانی وارژنکم، آن مجموعہ ارتنگِ منست

اس خیال میں انہیں اس درجہ غلو پیدا ہو گیا تھا، کہ اپنے کلیاتِ فارسی کو الہامی صحیفہ اور ایزدی کتاب قرار دیتے تھے ۔ چنانچہ جب ۴۱ برس کی عمر میں اُس کی ترتیب سے فارغ ہوئے، تو خاتمے میں اس نغمے پر تان توڑی تھی :

دیا ہے

گر شعر و سخن بدھر آئین بودی
دیوان مرا شہرتِ پروین بودی
غالب، اگر این فن سخن دین بودی
آن دین را ایزدی کتاب این بودی

ممکن ہے، موجودہ عہد میں، جب کہ فارسی شعر و سخن کی محفل
اُجڑ چکی ہے اور اس آتشِ بے دود کے شعلے ٹھنڈے پڑ چکے
ہیں، اُن کا دعویٰ تسلیم نہ کیا جائے؛ لیکن میرزا صاحب
کے معاصر نکتہ سنج، اسے بے چون و چرا مانتے تھے۔ نواب
مصطفیٰ خان شیفتہ، جو اُن کے دوستوں میں بڑے بلند رتبہ
مستور اور قابلِ استناد سخن سنج تھے، اور جنکے متعلق اُنہوں
نے ایک مقطع میں اعتراف کیا ہے کہ

غالب، بفنِ گفتگو، نازد بدین ارزش، کہ او
توشت در دیوان غزل، تا مصطفیٰ خان خوش نکرد

گلشنِ بیخار میں لکھتے ہیں:

» در زبانِ فارسی نیز دستگاہی بلند و مایہ وافر ہم
رسانیدہ، پایہ اش از فحولِ استادان کم نیست۔ غزلش،
چون غزلِ نظیری، بینظیر و قصیدہ اش، چون قصیدہ
عرفی، دلنیز۔۔۔ بالجلہ چنین نکتہ سنج نعرِ گفتار کتر
مرئی شدہ۔«

(۱) کتاب مذکور: ۱۸۶، طبع دہلی، ۱۸۲۷ ع۔

خواجہ حالی مرحوم، جو میرزا صاحب کے مایہ ناز شاگرد اور بڑے نکتہ رس نقاد تھے، فرماتے ہیں^۱:

”وہ شخص جس کا قصیدہ انوری و خاقانی کے قصیدوں سے ٹکڑا کھائے، جس کی غزل عرفی و طالب کی غزل سے سبقت لیجائے، جو رباعی میں عمر خیام کی آواز میں آواز ملائے، اور اُس کی نثر کے آگے، ابوالفضل اور ظہوری کی نثریں پھینکی اور بے مزہ معلوم ہوں۔“

خود میرزا صاحب نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ اُن کے کلامِ اردو کی شمع نے فارسی ذوق سے کسبِ ضو کیا ہے۔ چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں^۲:

”قبلہ! ابتدای فکر سخن میں یدل و اسیر و شوکت کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا، چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا:
 طرزِ یدل میں ریختہ کہنا اسد اللہ خاں، قیامت ہے
 پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مضامینِ خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب تمیز آئی، تو اس دیوان کو دور کیا، اوراقِ یک قلم جاک کیے، دس پندرہ شعر واسطے نمونے کے دیوانِ حال میں رہنے دیے۔“

یہ قوتِ تمیزی، خود میرزا صاحب کے ارشاد کے مطابق اسانڈہ فارسی کے دواوین کے مطالعے کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ

(۱) یادگار غالب: ۱۹۸، مطبع نامی کانپور، ۱۸۹۷ء۔ (۲) حود: ۱۵۹۔

کلیاتِ فارسی کے غاتمے میں فرماتے ہیں:

«شیخ علی حَـزین، بخندہ زیر لبی، بے راہہ رویہای مرا در
نظرم جلوہ گر ساخت، وزہرِ نگاہِ طالبِ آملی، و برقِ
چشمِ عرفہ شیرازی، مادہ ہرزہ جنبشہای ناروا در پای
رہ پینای من بسوخت۔ ظہوری، بسرگرمی۔ گیرائی۔
نفس، حرزی بیازوی و توشہ بکرم بست، و نظیری۔
لا اُبالی خرام، بہنجارِ خاصہ خودم، پچالش آورد۔
اکنون یمنِ فرہ پرورشِ آموختگی۔ این گروہِ فرشتہ
شکوه، کلکِ رقاصِ من بخرامش تدروست و برامش
موسیقار، بجلوہ طاؤست و پرواز عنقا»۔

عہدِ حاضر میں میرزا صاحب کی شہرت و ناموری کا تمام تر
مدار اُن کے دیوانِ ریختہ پر ہے۔ لیکن یہ اُن کے اصل دیوان
کا انتخاب ہے۔ خوش بختی سے یہ دیوان بھی «نسخہ حمیدہ»،
کہ نام سے ریاست بھوپال کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔
اس کے مطالعے سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ سختورانِ کامل اس
کے اشعار سنکر آسان کہنے کی فرمائش ضرور کرتے ہوں گے؛
ورنہ میرزا صاحب اس کا انتخاب کبھی نہ کرتے۔ اب یہ
سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا میرزا صاحب کی موجودہ شہرت کا
مدار اس قدیم دیوان کے طلسمی اشعار ہیں۔ منتخب دیوان
ریختہ کے دیباچے سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے، اس لیے

(۱) کلیاتِ فارسی: ۵۵۴، مطبع نولکھور، لکھنؤ، ۱۸۶۲ء:

کہ میرزا صاحب نے اُس میں علی الاعلان کہہ دیا ہے کہ:
 "امید کہ سخن سراپانِ سختورستای، پراگندہ ایاتی را
 کہ خارج ازین اوراق یابند، از آثارِ تراوشِ رگِ کلکِ این
 نامہ سیاه فشناسند، و چامہ گرد آزر را، در ستایش
 و نکوہشِ آن اشعار، بمنون و ماخوذ نسکالند"۔^۱

تو کیا پھر وہ دس پندرہ شعر اُن کی برتری کا موجب ہوئے،
 جو دیوانِ حال میں نمونے کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے؟
 لیکن یہ عقیدہ بھی درست نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ شیفتہ
 و حالی جیسے نقادانِ فن سے عرشی جیسے کم سواد تک، کوئی
 سخن فہم یہ یقین نہیں رکھتا کہ غالب کی فنی شخصیت کا ظہور:
 نقشِ نازِ بتِ طنزِ باغوشِ رقیب
 پایِ طاؤسِ پیہ خامہ مانی مانگے

یا اسی قبیل کے دوسرے اشعار میں ہوا ہے۔ اس کے برخلاف
 ہر شخص کی رائے ہے کہ غالب ان جیسے اشعار میں
 جلوہ گر ہے:

پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی * اب کسی بات پر نہیں آتی
 داغِ دل گر نظر نہیں آتا * بربہی، امے چارہ گر، نہیں آتی؟
 جاتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد * پر طبیعت ادھر نہیں آتی
 اور یہ سب شعر اُس زمانے کے کہے ہوئے ہیں، جب اُن
 کا فارسی ذوق پختہ ہو چکا تھا اور وہ اپنے اردو کلام کے متعلق،

(۱) دیوانِ ریختہ: ۳، مطبع مفید خلائق، آگرہ، ۱۸۶۳ء۔

دیا

جسے قبل ازیں 'نخلستانِ فرهنگ' کا 'برکِ دژم' قرار دے چکے
تھے، یہ کہہ دینے پر مجبور ہوئے تھے کہ :
جو یہ کہے کہ 'ریختہ کیوں کہ ہو رشکِ فارسی؟'
گفتہ غالب ایک بار پڑھکے اُسے سنا کہ یوں

انتخاب اشعار

جیسا کہ ابھی مذکور ہوا، میرزا صاحب نے اپنے ابتدائی
اردو کلام کو ۲۵ سال کی عمر کے بعد خود منتخب کر کے
ایک دو جزو کا چھوٹا سا دیوان مرتب کر لیا تھا۔ اس کے
بعد میرزا صاحب ہمہ تن فارسی کی طرف متوجہ ہو گئے، اور
۱۸۵۰ء تک اسی شیوے کو نبھاتے رہے۔ قلعہ معلیٰ کے تعلق
نے ان کی توجہ پھر ریختے کی طرف منعطف کی اور ذوق کے
انتقال پر استادِ شاہ کا اعزاز پانے کے بعد تقریباً اردو ہی میں
کہنے لگے۔ اس زمانے میں دلی اور باہر کے بہت سے شاعروں
نے اپنا اردو کلام اصلاح کے لئے بھیجنا شروع کیا، جس کے
باعث سے اس روش کی ساخت و پرداخت میں زیادہ وقت
گزرنے لگا۔ تا آنکہ سنہ ۱۸۵۷ء تک اتنا بڑا دیوان تیار ہو
گیا، جس کا حجم ابتدائی دیوان کے انتخاب کے تقریباً برابر
تھا۔ اس کے بعد میرزا صاحب کی شاعرانہ زندگی کی تخلیق
حرکت بڑی حد تک ختم ہو گئی۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی شاعر کا بھی سب کلام یکساں
حیثیت کا نہیں ہوتا۔ شاعر کی زندگی کے تمام داخلی و خارجی

عوامل ، جو رفتارِ عمر کے ساتھ پیہم تغیر پزیر رہتے ہیں ، شعر کے الفاظ اور معانی دونوں پر نمایاں اثر ڈالتے ہیں اور اس لیے پختگی، عمر کے ہر نئے مرحلے میں ، سابق نشانہاں قدم پر انتقادی نظر ڈالنا ضروری ہو جاتا ہے ۔ میرزا صاحب کا آخری اردو کلام بھی اس کئیے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا تھا ۔

علاوہ ازیں ، اُن کا فارسی دیوان صرف ایک بار دگر رعنا ، کی صورت میں شرمندہ انتخاب ہوا تھا ۔ اولاً تو اُس کے نسخے عام طور پر شائع نہ ہوئے ، اس لیے اُس کے معیارِ انتخاب کا تعین دشوار ہے ؛^۱ ثانیاً وہ خود میرزا صاحب کی اُس عمر کا کام ہے جب کہ وہ بادۂ نیمرس کی حیثیت رکھتے تھے اور ابھی اُن کے لیے ودیعت خانہ غیب میں اشعارِ فارسی کی خاصی تعداد محفوظ تھی ۔ ان وجوہ سے اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے کلام پر شاعر کی آخری نظرِ انتخاب کی ضرورت باقی تھی ۔

آخری انتخاب

حسن اتفاق سے ، نواب خلد آشیان نے اساتذہ اردو و فارسی کے منتخب اشعار کی ایک بیاض ترتیب دینے کا عزم فرمایا ۔ اس موقع پر سرکار کو یہ مناسب معلوم ہوا کہ میرزا صاحب کے کلام کا انتخاب خود اُنہیں سے کرایا جائے ۔ ۲۵ اگست

(۱) مولانا حسرت موہانی نے شرح دیوان غالب کو آخر میں لکھا ہے کہ اس کا ایک نسخہ اُن کو پاس محفوظ ہے ۔ عرشی کو زبانی استفسار پر مولانا نے فرمایا کہ یہ اصل کتاب کا صرف ایک حصہ ہے ۔

دیاچہ

سنہ ۱۸۶۶ع کو سرکار نے میرزا صاحب کو تحریر فرمایا: ^۱
 "مطلبِ دگر، جو کہ راقم کو ترتیبِ ییاضِ اشعارِ منتخبہ
 اساتذہٴ پارسی و اردو کی منظور ہے، اس واسطے حوالہ
 خامہٴ محبت نگار کے ہوتا ہے کہ آپ انتخابِ دیوانِ
 فارسی اور اردو اپنے کا فرما کر، مع انتخابِ کلامِ
 ضیاء الدین خانصاحب، لطف کریں، تا شامل انتخاب
 کے، جو اس سرکار میں عمل میں آیا ہے، ہو جائے۔"
 میرزا صاحب نے ۱۸ ستمبر کو دیوانِ اردو اور ۲۴ ستمبر
 کو دیوانِ فارسی کا انتخاب ارسال کر دیا۔^۲

اردو انتخاب

اردو انتخاب ۱۲½ × ۷½ انچ ناپ کے ۶۴ صفحات پر مشتمل
 ہے۔ ان صفحات کی سطروں کی تعداد مختلف ہے۔ کہیں ۱۳
 اور کہیں اس سے زیادہ ۱۶ تک ہیں۔ کاغذ یورپ کی ساخت کا
 باریک ہے۔ متن کی روشنائی سیاہ اور عنوانات سرخ ہیں۔ قلم
 اول سے آخر تک ایک ہے۔ خط بہت معمولی نستعلیق اور
 اسقدر اغلاط سے پُر ہے کہ میرزا صاحب کی تصحیح کے
 باوجود باقی ماندہ غلطیاں اصلاحوں سے زیادہ نظر آتی ہیں۔
 ہر نئی غزل کے پہلے مصرعے کے شروع میں سرخ لکیر کھینچی
 گئی ہے، تاکہ سابق و لاحق میں امتیاز پیدا ہو جائے۔ ۴۸
 صفحات تک کسی نے صفحہ شماری بھی کی ہے۔ عرصہٴ دراز

(۱) مکاتیب غالب: ۷۹، ج: ۱۔ (۲) ایضاً: ۸۰ و ۸۱۔

دیا

تک «ردی گھر» میں پڑا رہنے کے باوجود اوراق میں بہت معمولی سی کرم خوردگی اور کسی قدر کہنگی پیدا ہوئی ہے۔

صفحات ۶، ۱۲، ۱۴، ۱۷، ۲۲، ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۴، ۳۶-۳۸،

۴۸، ۴۹، ۵۴، ۵۸، ۶۳، ۶۴ پر میرزا صاحب کے قلم کی لفظی اصلاحیں پائی جاتی ہیں، جن میں غلط املے کی تصحیح اور ساقط الفاظ کا اضافہ دونوں شامل ہیں۔

قرآن سے پتا چلتا ہے کہ میرزا صاحب نے مطبعِ نظامی کانپور کے چھپے ہوئے نسخے پر صاد بنا کر کاتب سے شعر نقل کرائے ہیں۔ اس لیے کہ

(۱) دہلی اور آگرے کے مطبوعہ نسخوں میں «کیوں کر اُس بت سے رکھوں جان عزیز»، والی غزل نہیں ہے۔ مگر نظامی ایڈیشن اور ہمارے انتخاب دونوں میں موجود ہے۔

(۲) میرزا صاحب کا یہ شعر:

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے

اُٹھا اور اُٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

میرزا صاحب کی زندگی میں چھپے ہوئے یا لکھے ہوئے تمام نسخوں کے برخلاف صرف نظامی ایڈیشن میں اس طرح کاتب نے مسخ کیا تھا: گدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری خوشامد سے، الخ۔ ہمارے انتخاب میں بھی کاتب نے اس مصرع کو یوں ہی لکھا ہے، جو سوء اتفاق سے میرزا صاحب کی نظرِ تصحیح سے بچ بھی گیا ہے۔

(۳) میرزا صاحب کی ایک رباعی کا مصرع دہلی اور آگرے کے ایڈیشنوں میں اس طرح ہے :

یعنی ہر بار کاغذِ باد کی طرح

میرزا صاحب نے دہلوی نسخے کے غلط نامے میں ایک اور مصرع کے اندر لفظ 'طرح' بسکونِ اوسط کے استعمال سے بننے کی غرض سے اُس مصرع کی تصحیح کی تھی۔ وہ مصرع پہلے یوں تھا :

دود کی طرح رہا سایہ گریزاں مجھ سے

غلط نامے کے اندر میرزا صاحب نے لکھا :

صورتِ دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے

مگر یہی لفظ مذکورہ بالا رباعی کے اندر بسکونِ اوسط بندھا تھا، جو غالباً از راہِ سہو غلط نامے میں بھی بار نہ پا سکا۔

نظامی ایڈیشن اور ہمارے انتخاب میں اس کے اندر بھی تغیر کر دیا گیا ہے، اور ان دونوں میں یہ مصرع اس طرح تحریر ہوا ہے :

یعنی : ہر بار صورتِ کاغذِ باد

(۴) میرزا صاحب کی زندگی کے تمام مطبوعہ اور قلمی نسخوں کے برخلاف نظامی ایڈیشن میں چھپا تھا :

بھیجی، جو مجھ کو شاہِ جمجاہ نے دال

ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال

انتخاب کے کاتب نے بھی اسی طرح نقل کر دیا تھا۔ میرزا صاحب نے تصحیح کرتے وقت دوسرے مصرع میں 'عنایات' کی جگہ 'عنایت' اپنے قلم سے بنایا ہے۔

دیا

ان مواقع کے ماسوا بھی انتخاب کا متن نظامی ایڈیشن کے متن کے مطابق ہے۔

مقدار انتخاب

نظامی ایڈیشن کے ایات کی مجموعی تعداد ۱۷۹۹ ہے۔ جن میں ۱۴۵۷ شعر غزلوں کے، ۱۶۲ قصائد کے، ۱۱۵ قطعات کے، ۳۲ رباعیوں کے، اور باقی ۲۵ مثنوی۔ انہ کے ہیں۔ انتخاب میں مثنوی مکمل جن لی گئی ہے۔ بقیہ اصناف میں سے غزلوں کے ۶۷۳، قصیدوں کے ۹۲، قطعات کے ۴۰ اور رباعیوں کے ۱۰ شعر انتخاب کیے گئے ہیں، جن کی مجموعی تعداد ۸۴۸ ہوتی ہے۔

فارسی انتخاب

فارسی انتخاب ۱۱۱ × ۷۱۷ انچ کے ناپ کے ۸۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا مسطر ۱۷ سطری ہے، لیکن ہر غزل کے ختم پر دوسری کے عنوان کے خیال سے ایک سطر سادہ چھوڑ دی گئی ہے۔ روشنائی اور کاغذ اردو انتخاب کا جیسا ہے۔ انداز تحریر کے معاینے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین کاتبوں نے مل کر اسے نقل کیا ہے۔ چنانچہ ص ۱-۴ ایک شخص کا خط ہے۔ اس کے بعد ۵-۹ خود میرزا صاحب کا قلم ہے۔ اور پھر ۱۰-۱۴ پہلے کاتب کا، اور ۱۵ تا آخر تیسرے شخص کا ہے۔ اس حصے کی نقل میں بھی کاتبوں نے غلطیاں کی تھیں، جن میں کی بہت سی میرزا صاحب نے اپنے قلم سے درست کر دی

دیا

ہیں!۔ بقیہ میں سے ام کا ذکر اختلافِ نسخ میں کیا گیا ہے۔
غالباً اس انتخاب کی بنیاد کلیاتِ فارسی کے نولکشوری
ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۶۳ ع پر رکھی گئی ہے، کیونکہ طرزِ کتابت
کی یکسانی کے ماسوا، ہمارے انتخاب کی آٹھویں رباعی صرف
اسی نسخے میں موجود ہے۔ البتہ انتخاب کا یہ شعر:
عبودیت نکند اقتضای خواہشِ کام
دعا بصیغہ امر است و امر بنیادیست

کلیات میں نہیں پایا جاتا۔ یہ پہلی بار »سبد چین« میں شائع ہوا
تھا؛ میرزا صاحب نے اُسی سے مطبوعہ نسخے میں لکھ لیا ہوگا۔

مقدار انتخاب

فارسی کلیات کا انتخاب غزلوں اور رباعیوں تک محدود ہے۔
مذکورہ بالا مطبوعہ نسخے میں غزلوں کے اشعار کی تعداد ۳۶۰۶
اور رباعیات کی تعداد ۲۰۸ ہے۔ ان میں سے ۱۰۶۰ غزلوں کے
شعر اور ۱۸ رباعیاں انتخاب کی گئی ہیں۔ چنانچہ اوپر لکھے
ہوئے ایک شعر کو شامل کر لینے کے بعد منتخب اشعار کی مجموعی
تعداد ۱۰۹۷ ہوتی ہے۔

معیار انتخاب

اس انتخاب کی ترتیب کے وقت، میرزا صاحب کے پیشِ نظر
جو معیار تھا، »مکاتیبِ غالب« میں اُس کی تصریح نہیں ملتی؛

(۱) میرزا صاحب کی یہ تصحیحات ص ۳، ۱۶، ۱۷، ۱۹، ۲۴، ۲۶، ۲۸، ۴۳،
۶۱، ۶۸، ۶۹، ۷۴، ۸۳ پر پائی جاتی ہیں۔

دیا

مگر میرزا صاحب کی دوسری تحریروں کی مدد سے ، شعر و سخن کے متعلق اُن کے عام نقطہ نگاہ ، اور اُس کی تدریجی ترقی و اصلاح کا تعین ممکن ہے ۔ چونکہ اُن کی آخری عمر کے مذاکرے سخن ہی پر اس انتخاب کے حسن و قبح کا مدار ہے ، اور اُسی کے اجزا کی تعیین سے معیارِ انتخاب کے جزئیات طے کیے جاسکتے ہیں ، اس لیے ضروری ہے کہ پہلے مذکورۃ بالا اردو ، فارسی تحریروں کو مناسب ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا جائے ۔

تعریف سخن

شعر و سخن کو میرزا صاحب نے "گران ارز متاعِ عالمِ قدس" قرار دیا ہے ، اور اُس کی ادبی تحدید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"سخن ایک معشوقہ پری پیکر ہے ۔ تقطیعِ شعر اُس کا لباس اور مضامین اُس کا زیور ہے ۔ دیدہ وروں نے شاہدِ سخن کو اس لباس اور اس زیور میں روکشِ ماہِ تمام پایا ہے "۔^۱

اس شاہد کے حسن کی نیرنگی اور اُس کے دیدہ وروں کے ذوق کی بوقلمونی کے متعلق فرماتے ہیں :

"گفتارِ موزون ، کہ آن را شعر نامند ، در ہر دل جانی دیگر ، و در ہر دیدہ رنگی دیگر ، و سخن سراپان را ہر زخمہ جنبشی دیگر ، و ہر ساز آہنگی دیگر دارد "۔^۲

(۱) کلیات ثر : ۳۹۶ ۔ (۲) عود : ۱۸ ۔ (۳) کلیات ثر : ۲۴۲ ۔

”گفتارِ موزوں، کے دو پہلو ہیں: لفظی اور معنوی۔ میرزا صاحب ابتدا میں صرف معنوی پہلو پر زور دیتے تھے، اور لفظی محاسن کی طرف سے بالکل بے توجہ تھے۔ نسخۂ حمید یہ کے اشعار کے علاوہ، خود ایک خط میں انہوں نے اس کی صراحت کردی ہے کہ ”شاعری معنی آفرینی ہے“^۱۔

اپنے متعلق اعتراف کرتے ہیں کہ
”نہ آبلہ پای جادۂ صنائع، و نہ گوہر آمای رشتہ بدائع۔
کبابِ گرمی، آتشِ یدودِ پارسیم، و خرابِ تلخی، بادۂ
پر زور معنی“^۲۔

میرزا جان جاکوب کو بھی یہی لکھا ہے کہ
”سوگند کہ ہیچ گاہ دل بفرِ تاریخ و معما نہ نہادہ ام،
و صنعتِ الفاظ را بر معنی نگزیدہ“^۳۔
میرزا تفتہ کو لکھتے ہیں:

”کیا ہنسی آتی ہے، کہ تم مانند اور شاعروں کے مجھہ
کو بھی یہ سمجھے ہو کہ استاد کی غزل یا قصیدہ سامنے
رکھ لیا، یا اُس کے قوافی لکھ لیے اور اُن قافیوں پر
لفظ جوڑ نہ لگے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ !

بچپن میں جب میں ریختہ کہنے لگا ہوں، لعنت ہے
مجھہ پر، اگر میں نے کوئی ریختہ یا اُس کے قوافی پیش

(۱) خطوط: ۱، ۸۴۔ (۲) کلیات نظم، دیاچہ: ۱۱۔ (۳) کلیات شر: ۱۷۲۔

دیا

نظر رکھ لیے ہوں ! صرف بحر اور ردیف ، قافیہ دیکھ
لیا ، اور اُس زمین میں غزل ، قصیدہ لکھنے لگا ،^۱
ایک بار شیونزاین کو کسی قدر ترش لہجے میں لکھا ہے :
” بھائی ، حاشا ثم حاشا ! اگر یہ غزل میری ہو :

اسد اور لینے کے دینے پڑے
اُس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں ؟ لیکن اگر یہ
غزل میری ہو ، تو مجھ پر ہزار لعنت !
اس سے آگے ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا
اور کہا کہ ” قبلہ ! آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے :
اسد ، اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر ، شاباش ، رحمت خدا کی ! ،
میں نے یہی اُن سے کہا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو ، تو
مجھ پر لعنت ! ...

تم طرزِ تحریر اور روشِ فکر پر بھی نظر نہیں کرتے ؟
میرا کلام اور ایسا مُزخرف !^۲
اتفاقاً اُنہیں ایام میں جنون بریلوی نے کسی غزل کی ردیف
اور قافیے کا حوالہ دیکر ، پوری غزل مانگی تھی ۔ اس کے
جواب میں میرزا صاحب نے شیونزاین کے نام کے خط کی باتیں
دہرا کر لکھا کہ

” اسد اور شیر ، اور بت اور خدا ، اور جفا اور وفا ، یہ

(۱) خطوط : ۸۴۰۱ ۔ (۲) اردو : ۳۷۱ ۔

دیا ہے

میری طرزِ گفتار نہیں ہے، ۱۰

تفسیر ذوق

اگرچہ معنویت پسندی کے یجا توغل نے میرزا صاحب کو عرصے تک یسدل، اسیر اور شوکت بخاری کے دام میں پھنسانے رکھا۔ مگر آخر کار یمزہ معنی آفرینی سے خود بھی بچنے لگے، اور شاگردوں کو بھی ہدایت کی کہ نزاکتِ تخیل کو قیدِ لطف سے آزاد نہونے دیا جائے۔ جنون بریلوی کے ایک مطلع کے متعلق لکھتے ہیں:

”اس مطلع میں خیال ہے دقیق، مگر کوہ کنند

و کاہ بر آوردن۔ یعنی، لطف زیادہ نہیں، ۲۰

میرزا صاحب کی شاعری کا یہ طلسماتی رنگ اڑا، تو اُن میں لطفِ زبان سے حظ اندوز ہونے کی صلاحیت بھی ترقی پکڑ گئی، اور اُن کے قلم سے معنی آفرینی کی تعریف و تحسین کے ساتھ ساتھ سلاستِ الفاظ، ندرتِ اسلوبِ ادا، اور دلنشینی۔ بیان وغیرہ کی داد بھی نکلنے لگی۔ چنانچہ ایک قصیدے کی تعریف میں فرماتے ہیں:

”ہزار آفرین! کیا اچھا قصیدہ ہے۔ واہ، واہ، چشم

بد دور! تسلسلِ معنی، سلاستِ الفاظ، ۳۰

مہر کے قصیدے کے متعلق زیادہ واضح الفاظ میں لکھتے ہیں:

(۱) اردو: ۲۱۲؛ عود: ۱۶۶۔ (۲) خطوط: ۱۲۵، ۱۔ (۳) ایضاً: ۱، ۷۹۔

» زبان پاکیزہ، مضامین اچھوتے، معانی نازک، مطالب کا بیان دلنشین «^۱۔

شفق کی ایک فارسی غزل کے بارے میں تحریر کیا ہے :
» کیا پاکیزہ زبان ہے ، اور کیا طرزِ بیان ا «^۲۔

پیخبر کی ایک نئی زمین کی فارسی غزل پڑھ کر لکھا ہے :
» کیا کہنا ہے ! « ابداع ، اس کو کہتے ہیں ۔ « جدتِ طرز ، اس کا نام ہے ۔ جو ڈھنگ تازہ نوایانِ ایران کے خیال میں نہ گزرا تھا ، وہ تم بر روی کار لائے ہو «^۳۔
مہر کی غزل کے ایک شعر کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں :
» کتنا خوب ہے ، اور اردو کا کیا اچھا اسلوب ہے ا «^۴۔
نوابِ باندہ کے اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :
» ذہی لطفِ طبع ، و حدتِ ذہن ، و سلامتِ فکر ، و حسنِ بیان «^۵۔

نساخ کے دیوان پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :
» میں دروغگو نہیں ۔ خوشامد میری خونہیں ۔ دیوانِ فیض عنوان اسم با مسمیٰ ہے ۔ « دفترِ یمثال ، اس کا نام بجا ہے ۔ الفاظ متین ، معانی بلند ، مضامین عمدہ ، بندش دلپسند «^۶۔

مہر کی مثنوی کے متعلق فرماتے ہیں :

(۱) اردو : ۲۶۵ (۲) ایضاً : ۳۱۳ ، عود : ۵۴ (۳) اردو : ۲۷۹ ، عود : ۲۷۵
(۴) اردو : ۲۶۸ ، عود : ۱۱۱ (۵) کلیاتِ نثر : ۲۳۲ (۶) اردو : ۲۰۴ ، عود : ۱۲۵

دیا

» مثنوی پہنچی . جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں . کیا
خوب بولچال ہے ! انداز اچھا ، بیان اچھا ، روزمرہ
صاف ، ۱ .

رجب علی یگ سرور لکھنوی کے ایک شعر کے متعلق
لکھتے ہیں :

» رجب علی یگ سرور نے جو فسانہ عجائب لکھا ہے ،
آغازِ داستان کا شعر اب مجھ کو بہت مزا دیتا ہے :
یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ
یاد رکھنا ، فسانہ ہیں ہم لوگ
مصرعِ ثانی کتنا گرم ہے ، اور یاد رکھنا ، فسانے کے
ساتھ کتنا مناسب ! ۲

میزان شعر

مذکورہ بالا تفصیل کے پیشِ نظر میرزا صاحب نے ایک
» میزان « مقرر کی ہے ، اور اُس میں چند اچھے شعروں کو
نول کر دکھا دیا ہے . لکھتے ہیں :

» اس رقعے میں ایک میزان عرض کرتا ہوں . حضرت
صاحب اُن صاحبوں کے کلام کو ، یعنی ، ہندیوں کے
اشعار کو ، قتیل اور واقف سے یدل اور ناصر علی
تک اس میزان میں تولیں . میزان یہ ہے :

رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و انوری

(۲) اردو : ۱۰۹ .

(۱) اردو : ۲۵۰ ، عربی : ۱۱۷ .

دیا ہے

وغیرہم تک ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام تھوڑے
تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے۔

پھر حضرت سعدی طرزِ خاص کے موجد ہوئے۔
سعدی و جامی و ہلالی یہ اشخاص متعدد نہیں۔

فغانی ایک اور شیوہ خاص کا مبدع ہوا۔ خیالہاں
نازک و معانی بلند لایا۔ اس شیوے کی تکمیل کی
ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ!
قالبِ سخن میں جان پڑ گئی۔

اس روش کو بعد اس کے صاحبانِ طبع نے
سلاست کا چرہا دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی
و حکیم شفاقی اس زمرے میں ہیں۔

رودکی و اسدی و فردوسی، یہ شیوہ سعدی کے وقت
میں ترک ہوا۔ اور سعدی کی طرز نے بسبب سہلِ ممتنع
ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا اور اُس
میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔

تو اب طرزینِ تین ٹھہریں:

(۱) خاقانی، اُس کے اقران، (۲) ظہوری، اُس
کے امثال، (۳) صائب، اُس کے نظائر۔

خالصاً اللہ! ممتاز و اختر وغیرہم کا کلام، ان تین طرزوں
میں سے کس طرز پر ہے؟ بے شبہہ فرماؤ گے کہ یہ طرز
اور ہی ہے۔ بس تو ہم نے جانا کہ یہ طرز چوتھی ہے۔

دیاچہ

کیا کہنا ہے! خوب طرز ہے، اچھی طرز ہے، مگر
فارسی نہیں ہے، ہندی ہے۔ دارالضرب شاہی کا سکہ
نہیں ہے، ٹکسال باہر ہے۔ داد، دادا انصاف، انصاف!

اگرچہ شاعرانہ نغز گفتار

ز يك جام اند در بزم سخن مست

ولی با بادۂ بعضی حریفان

خمارِ چشمِ ساقی نیز پیوست

مشو منکر کہ در اشعارِ این قوم

ورای شاعری، چیزِ دگر، هست

وہ چیزِ دگر، حصے میں پارسیوں کے آتی ہے۔ ہاں،

اردو زبان میں اہلِ ہند نے وہ چیز پائی ہے:

میدتی بدنام ہو گئے، جانے بھی دو امتحان کو
علیہ الرحمہ رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو؟

سودا: دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار
خواہاں نہیں، لیکن، کوئی واں جنسِ گراں کا

قائم: قائم اور تجھ سے طلب ہو سے کی، کیوں کر مانوں
ہے تو ناداں، مگر اتنا بھی بد آموز نہیں

مومن خان: تم مرے پاس ہوتے ہو، گویا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کستر اور آتش کے ہاں بیشتر یہ تیر

و نشتر ہیں۔ مگر مجھے اُن کا کوئی شعر اس وقت یاد

خلاصہ یہ ہے کہ میرزا صاحب کے نزدیک اچھے شعروں میں، لفظاً، سلاست و متانتِ الفاظ، پاکیزگی و صفائیِ روزمرہ، ندرت و دلپسندیِ بندش اور حسنِ بیان؛ اور معنی، بلندیِ خیال، نزاکتِ معنی، عمدگیِ مضمون، اور سلاست و تازگیِ فکر ہونا چاہیے۔ اسی کا نام شیوایانی ہے، اور یہی خوبیاں کلام کو ”سہلِ ممتنع“ بناتی ہیں۔ ایک خط میں فرماتے ہیں:

”خود ستائیِ فوقی ہے۔ سخنِ فہم اگر غور کریگا، تو فقیر کی نظم و نثر میں سہلِ ممتنع اکثر پائے گا۔“^۲

انتخاب پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بڑی حد تک انہیں صفاتِ لفظی و معنوی کو میرزا صاحب نے معیارِ انتخاب قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ تمام فارسی و اردو اشعار، جن میں یمزہ تخیل کا فرما تھی، یا بے لطف اور دور از کار تشبیہیں اور استعارے استعمال ہوئے تھے، یا غیر مانوس فارسی ترکیبیں جلوہ گر تھیں، انتخاب میں شامل نہیں کیے گئے ہیں۔ اسی طرح وہ شعر بھی شاملِ انتخاب نہیں ہو سکے ہیں، جن میں اگرچہ کوئی عیب تو نہیں پایا جاتا، لیکن اُسی غزل کے دوسرے

(۱) اردو: ۱۴۹، ۱۵۰؛ عود: ۴۵، ۴۶۔ شفق کو اختصاراً صرف دو روشیں بتائی ہیں: مقدمین، یعنی، امیر خسرو اور سعدی اور جامی کی روش، اور متأخرین، یعنی، صائب و کلیم و قدسی کا انداز۔ ملاحظہ ہو اردو: ۲۱۵؛ عود: ۵۱۔

(۲) عود: ۱۴۰۔

دیباچہ

اشعار کے مقابلے میں اُن کا درجہ حسن و خوبی پست تر ہے۔
صنفِ اول کی مثال میں دیوانِ قدیم کی متروکہ غزلوں کے علاوہ
حسبِ ذیل اشعار بھی پیش کیے جا سکتے ہیں:

۱ شمارِ سُبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا

تماشایِ یک کفِ بردنِ صد دل پسند آیا

۲ نقشِ نازِ بتِ طُتازِ باغوشِ رقیب

پایِ طاؤسِ پیہِ خامہٴ مانی مانگے

صنفِ دوم کی تمثیل میں یہ شعر کام آ سکتے ہیں:

۱ سب کو مقبول ہے دعوے تری یکتائی کا

رو برو کوئی بتِ آئینہ سیما نہوا

۲ موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے

تم کو چاہوں کہ نہ آؤ، تو بُلائے نہ بنے

لیکن دیوانِ اردو اور فارسی میں بہت سے ایسے شعر بھی

نظر آتے ہیں، جو اپنی خوبیوں کے باعث ہر طرح مستحقِ
انتخاب تھے۔ مثلاً:

۱ حالِ ما از غیر می پرسی و منت میبریم

آگہی، باری، کہ آگہ نیستی از حالِ ما

۲ مرغ از ناروائی، بی نیازی عالمی دارد

حکایتها بود از خویشتن مرپیژبانان را

۳ خوشست افسانہ دردِ جدائی مختصر، غالب

بحشر میتوان گفت، آنچہ در دل مانده است امشب

- ۴ رندِ هزار شیوه را طاعتِ حق گران نبود
- لیک صنم بسجده در، ناصیه مشترک نخواست
- ۵ گر منافق، وصل ناخوش؛ ور موافق، هجرتلخ
دیده داغم کرد؛ روی دوستان دیدن نداشت
- ۶ زیستم بی تو و زین تنگ نه کشتم خود را
جان فدای تو! میا، کز تو حیا می آید
- ۷ مقصودِ ما ز دیر و حرم، جز حیب نیست
هرجا کنیم سجده، بدان آستان رسد
- ۸ گفتم: «گره ز کارِ دل و دیده باز کن»
از جبهه ناکشوده، به بندِ نقاب بُرد
- ۹ اگر بدل نخلد، هرچه از نظر گزرد
زهی روانی عمری که در سفر گزرد!
- ۱۰ حریفِ منتِ احباب نیستم، غالب
خوشم، که کارِ من از سعی چاره‌گر گزرد
- ۱۱ می بزهاد مکن عرض، که این جوهرِ ناب
پیشِ این قوم، بشورابه زمزم نرسد
- ۱۲ یاورید، گر اینجا بود زباندانی
غریبِ شهر سخنهای گفتنی دارد
- ۱۳ شوق گستاخ و تو سرمست، بدا رسوائی!
هان، ادائی که دل و دستِ من از کار برد

- ۱۴ رو، تن بہ بلا دہ، کہ دگر بیمِ بلا نیست
مرغِ قفسی کشمکشِ دام ندارد
- ۱۵ اگر نہ مایلِ بوسِ لبِ خودست، چرا
بلب، چو تشنہ، دما دمِ زبان بگرداند؟
- ۱۶ ذوقیست ہمدی بہ فغان، بکزم ز رشک
خارِ رھت پیای عزیزانِ خلیدہ باد!
- ۱۷ سرمایۂ خرد بجنون دہ، کہ این کریم
یک سود را ہزار زبان میدھد عوض
- ۱۸ تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریشتر
بگدازم آبکینہ و در ساغر افکنم
- ۱۹ بجنک، باج ستانانِ شاخساری را
تہی سبد، ز درِ گلستان بگردانیم
- ۲۰ بہ صلح، بالفشانانِ صبحگاهی را
ز شاخسار، سوی آستان بگردانیم
-
- ۲۱ وای دیوانگیہ شوق! کہ ہر دم بچکو
آپ جانا اُدھر، اور آپ ہی حیراں ہونا
- ۲۲ بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے، تو کیا؟
بات کرتے کہ میں لب تشنہِ تقریر بھی تھا
- ۲۳ گو میں رہا رہینِ ستمہای روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

- ۲۴ غم ہستی کا، آسہ، کس سے ہو، جز مرگ، علاج؟
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہوتے تک
- ۲۵ تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہاں
- ۲۶ جب کرم رخصتِ یببائی و گستاخی دے
کوئی تقصیر، بجز خجلتِ تقصیر، نہیں
- ۲۷ کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں، تو کہتے ہیں
کہ "آج بزم میں کچھ قتنہ و فساد نہیں،!"
- ۲۸ جانفزا ہے بادہ، جس کے ہاتھ میں جام آگیا
سب لکیریں ہاتھ کی، گویا رکِ جاں ہو گئیں
- ۲۹ ہاں، وہ نہیں خدا پرست؛ جاؤ، وہ یوفا سہی
جسکو ہوں دین و دل عزیز، اُسکی گلی میں جائے کیوں؟
- ۳۰ قفس میں بچھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر، ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی، وہ میرا آشیاں کیوں ہو؟
- ۳۱ یہ قتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسمان کیوں ہو؟
- ۳۲ کہا تم نے کہ "کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی؟"
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ "ہاں، کیوں ہو؟"
- ۳۳ رہے اب ایسی جگہ چل کر، جہاں کوئی نہو
م سخن کوئی نہو، اور ہمزباں کوئی نہو

- ۳۴ بنے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہو، اور پاسباں کوئی نہو
- ۳۵ پڑیے گر بیمار، تو کوئی نہو تیاردار
اور اگر مر جائیے، تو نوحہ خواں کوئی نہو
- ۳۶ مرے دل میں ہے، غالب، شوقِ وصل و شکوۂ ہجران
خدا وہ دن کرے، جب اُس سے میں یہ بھی کہوں، وہ بھی!
- ۳۷ بس، هجومِ ناامیدی، خاک میں ملجائیگی
وہ جو اک لذت ہماری سعی یہ حاصل میں ہے
- ۳۸ ہر بُنہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروی شیوۂ اہل نظر گئی
- ۳۹ جاتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی
- ۴۰ عشق پر زور نہیں؛ ہے یہ وہ آتش، غالب
کہ لگائے نہ لیکے، اور بجھائے نہ بنے
- ۴۱ جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناب کیے ہوئے
- ۴۲ زباں پہ، بارِ خدا یا! یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے
- ان جیسے شعروں کو نظر انداز کر دینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی
ہے کہ میرزا صاحب نے یہ انتخاب چند روز کے اندر مرتب

کیا تھا۔ عجلت میں یوں بھی ذہن کی تمام قوتیں کامل اشتراک و ہم آہنگی سے کام نہیں کر سکتیں۔ میرزا صاحب کے یہاں اس پر مستزاد یہ تھا کہ آئے دن کی بیماریوں سے اُن کے قوای ظاہر و باطن یحسد کمزور و ناتواں ہو گئے تھے۔ تنگدستی اور پریشان روزگاری نے طرح طرح کی دماغی الجھنوں میں الگ گرفتار کر دیا تھا۔ اب اُنہیں شعر و سخن کی جگہ کافور و کفن کی پڑی رہتی تھی، اور صرف موت کی آس پر جی رہے تھے۔ ان حالات میں مستبعد نہیں کہ اچھے برے میں فرق و تمیز کرنے وقت اُن سے اچھے شعر نظر انداز ہو گئے ہوں، اور دو چار معمولی اشعار کو کسی وقتی جذبے کے ماتحت چن لیا ہو۔

بہر حال، یہ انتخاب یحسد قابلِ قدر، اور غالب سے متعلق ادب میں ایسا نایاب اضافہ ہے، جس کی قدر و قیمت میں برابر ترقی ہوتی رہیگی۔

خدا کرے، بندگانِ ہمایونِ اعلیٰ حضرت، دام اقبالہم و ملکہم، کی بارگاہ میں اس کو شرفِ قبول عطا ہوا آمین!

احقر

امتیاز علی عرشی

یہ کتاب عبد الصمد شرف الدین فی شرف الدین و اولادہ کی مطبعہ قیہ، واقع نمبر ۲۹ شارع محمد علی، بمبئی نمبر ۲، میں طبع کی؛ اور کتابخانہ ریاست رامپور، پو۔ پی، می شائع ہوئی

انتخاب غالب

فارسی

چند رنگین نکته دلکش ؛ تکلف برطرف ا

دیده ام دیوانِ غالب : انتخابی بیش نیست ا



غزلیات

== الف ==

ای بخلا و ملا خوی تو هنگامه زا !!
با همه در گفتگو، بی همه با «ماجرا»
شاهدِ حسنِ ترا، در روشِ دلبری
طَرّه پُرخمِ صفات، موی میان «ماسوا»
خلد به غالبِ سپار؛ زانکه بدان روضه در
نیک بود عندلیبِ خاچه نوآیین نوا

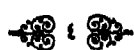


شعوی شرم گنه، در پیشگاهِ رحمتِ عامت
 سبیل و زهره افشاند ز سیا رویاهان را
 بدلمای ریختی یکسر شکستن هم ز یزدان دان
 که لختی بر خرم زلف و کله زد بجکلاهان را

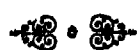


خاموشی ما گشت بدآموز بتان را
 زین پیش، وگرنه، اثری بود فغان را
 موی که برون نامده باشد، چه نماید؟
 بیهوده، در اندام تو جُستیم میان را
 بر طاعتیان فرخ و بر عشرتیان سهل
 نازم شبِ آدینه ماهِ رمضان را
 ای خالکِ درت قبله جان و دلِ غالب
 کز فیض تو، پیرایه هستیست جهان را

تا نام تو، شیرین جان داده بگفتن
در خویش فرو برده دل، از مهر، زبان را
بر امت تو، دوزخ جاوید حرامست
حاشا که شفاعت نکنی سوختگان را !

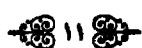


ما همای گرم پروازیم، فیض از ما بجوی
سایه، همچون دود، بالا میرود از بال ما
جان غالب اتاب گفتاری گان داری هنوز؟
سخت یدردی که می پرسی ز ما احوال ما !



گر یابی مست ناگاه، از درِ گلزار ما
کل، ز بالیدن، رسد تا گوشه دستار ما
چاک دلا، اندر گریان جهات افکنده ایم
بی جهت بیرون خرام، از پرده پندار ما

می‌پرد مور؛ مگر جان سلامت ببرد
تا چه برقصت که شد نامزدِ خرمنِ ما
ما نبودیم بدین مرتبه راضی، غالب
شعر خود خواهشِ آن کرد که گردد فنِ ما !



با بندهٔ خود، این همه سخی نمی‌کنند
خود را، بزور بر تو، مگر، بسته‌ایم ما ؟
سوزِ ترا، روانِ همه در خویشتن گرفت
از داغ، تهمتِ به جگر بسته‌ایم ما
گوی: « وفا ندارد اثر »، هم بما گرای
زین سادگی، که دل به اثر بسته‌ایم ما



در گردِ غربت، آئینه‌دارِ خودیم ما
یعنی ز یسکانِ دیارِ خودیم ما

با چون تویی معامله، بر خویش منتست
از شکوه تو، شکرگزارِ خودیم ما
غالب، چو شخص و عکس، در آئینه خیال
با خویشانِ یکی و دوچارِ خودیم ما

— ۱۳ —

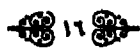
بروی برگِ گل، تا قطرهٔ شبنم نه پنداری
بهار، از حسرتِ فرصت، بدندانِ میگذرد لبها
کند گر فکرِ تعمیرِ خرابیهای ما، گردون
نیاید خشت، مثلِ استخوان، بیرون ز قالبها

— ۱۴ —

پس از عمری که فرسودم بمشقِ پارسائیا
گدا گفتم و بمن تن درنداد، از خود نمائیا
نیرزم التفاتِ دزد و رهن؛ بی نیازی بین:
متاعم را بفشارت داده اند، از ناروائیا



جان برشابد، ای دل! هنگامه ستم را
 از سینه ریز پیرون، مانند تیغ، دم را
 بوجه در رهت نیست، از پا فسادن من
 بر دیده می نشانم، در هر قدم، قدم را
 مانند خارزاری کاتش زند در وی
 سوزد، ز بیم خویت، اجزای ناله هم را



من آن نیم که دگر میتوان فریفت مرا
 فریتمش که مگر میتوان فریفت مرا
 بحرف ذوق نگه، میتوان ربود مرا
 بومر تاب کمر، میتوان فریفت مرا
 من و فریفتگی، هرگز آن محال اندیش
 چرا فریفت، اگر میتوان فریفت مرا؟

ز باز نامدنِ نامه بر خوشم که هنوز
به آرزوی خبر، میتوان فریفت مرا
شبِ فراق ندارد سحر؛ ولی يك چند
بگفتگوی سحر، میتوان فریفت مرا



ز من گرت بُود باور انتظار، یا
بهانه جوی مباش و ستیزه کار یا
يك دو شیوه ستم، دل نمی شود خرسند
بمرگِ من ا که بسامانِ روزگار یا
بهانه جوست در الزامِ مدعی، شوق
یکی، برغمِ دلِ ناامیدوار، یا
هلاکِ شیوه تمکینِ خواهِ مستان را
عنانِ گسسته تر از بادِ نوبهار، یا

وداع و وصل جداگانه لنتی دارد
هزار بار برو، صد هزار بار بیا!



چون بقاصدِ نِسِیَم پیغام را
رَشکِ نِگزارد که گویم نام را
گشته در تاریکیِ روزم نهان
کو چراغی، تا بجویم شام را؟
آن مَیَم باید که چون ریزم بجام
زورِ می در گردشِ آرد جام را
تا نیفتد هر که تن پرور بود
خوش بود، گر دانه نبود دام را!
زحمتی عامست دایم خاص را
عشرتی خاصست، مردم عام را

انتخاب غالب

— ۱۹ —

در حجر، طرب بیش کند تاب و تبم را
مہتاب، کفرِ مارِ سیاهست، شبنم را
ترسم که دهد ناله جگر را بدیدن
قطعِ نظر از جیب، بدوزید لبم را

— ۲۰ —

بر نمی آید ز چشم، از جوشِ حیرانی مرا
شد نکه زنارِ تسبیحِ سلیمانی مرا
وہ! کہ پیش از من پیابوسِ کسی خواهد رسید
سجدہ شوقی، کہ می بالد بہ پیشانی مرا
همچنین ییگانه زی با من، دل و جانِ کسی را
بدگانِ گردم، اگر دانم کہ میدانی مرا
تشنه لب بر ساحلِ دریا ز غیرت جان دهم
گر بموجِ افدگانِ چینِ پیشانی، مرا

— ۲۱ —

از و هم قطر گیس که در خود گیم ما
اما چو وا رسم، همان قلمیم ما
مردم، بکینه، تشنه خونِ همد و بس
خون می خوریم، چون هم ازین مردمیم ما

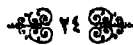
— ۲۲ —

به بیم افکنده می را، چاره رنجِ خارِ ما
قدح بر خویش می لوزد، زدستِ زعشه دارِ ما
فروزد هر قدر رنگِ گل، افزایشِ تب و تابش
کبابِ آتشِ خویشست، پنداری، بهارِ ما

— ۲۳ —

پایانِ محبت، یاد می آرم زمانی را
که دل، عهدِ وفا نایسته، دادم دلستانی را
ندادم تابِ ضبطِ راز و می ترسم ز رسوائی
مگر جویم، ز بهرِ مهربانی، بیزبانی را

بشهر از دوست، بعد از روزگاری، یاقم، غالب
ز عنوانِ خطی، کز راهِ دور آمد، نشانی را



از تست اگر ساخته، پرداخته ما
کفری نبود مطلبِ بیساخته ما
وقتست که چون گرد، ز تحریکِ نسیمی
ریزد پر و بال از قفسِ فاخته ما



خوش وقتِ اسیری! که برآمد هوسِ ما
شد؛ روزِ نخستین، سبدر گلِ قفسِ ما
آوازهٔ شرع از سرِ منصورِ بلندست
از شبرویِ ماست، شکوهِ عسسِ ما
در دهر، فرورفتهٔ لذتِ توان بود
بر قند، نه بر شهد، نشیند مکسِ ما



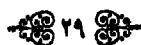
ز پیکانهای ناوک، در دلِ گرمِ نشانِ نبود
بریکستان چه جوئی، قطره‌های آبِ باران را؟
کفرِ خاکیم؛ از ما برنخیزد جز غبار آنجا
فزون از صرصری نبود قیامت، خاکساران را
درآینخود بیازیگاهِ اهلِ حسن؛ تا بینی،
بروی شعله، گرمِ مشقِ جولان، فی سواران را



ز پیدائی، حجابِ جلوه سامانِ کردنشِ نازم!
کفرِ صباست، گوئی، پنبه مینای شرابش را
دمِ صبحِ بهار، این مایه مدهوشی نمی‌ارزد
صبا بر مغزِ دهر افشانده، گوئی، رختِ خوابش را
ز خوبانِ جلوه، وز مایه‌خودانِ جان، رونما خواهد
خردارست، ز انجم تا به شبنم، آفتابش را

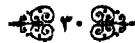


مدام محرم صبا بود، پیاله ما
 بگرد مهر، تنیدست خطرِ هاله ما
 چمن طرازِ جنونیم و دشت و کوه از ماست
 به مهرِ داغِ شقایق بود قباله ما
 درازی شبِ هجران ز حد گزشت، یا
 فدای روی تو عمرِ هزارساله ما !
 ز سحرِ هرزه، به بیحاصلی علم گشتیم
 چو باد، یدِ پدید آمد، از اماله ما
 بدل، ز جورِ تو، دندان فشرده ایم و خوشیم
 ز استخوان اثری نیست در نواله ما

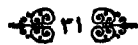


کدام آئینه با روی او مقابل شد
 که یقارای جوهر نبرد زنگش را ؟

چو غنچه، جوشِ صفای تنش، ز بالیدن
درید بر تنِ نازکِ قبای تنکش را
جگر نشانه نهم، بر خود اعتماد نیست
مبادا دل، به تپش، رد کند خدنگش را



زین بهار آئین نگاهان، بُو که بپذیرد یکی
عمرها شد، رخ بخونِ دیده می شوئیم ما
آفتابِ عالمِ سرگشتگیهای خودیم
تا بزانو سوده پای ما و می پوئیم ما



داغم که در هوای سرِ دامنِ کیست
در خونِ من، ز ناز، فرو برده چنگ را
در بزم، می بجامِ زمرد نخورده:
سجده بدشتِ جلوهٔ داغِ پلنگ را

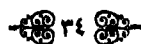
در گوشه خزیده، ز اندوهِ یکی
آن بر شکسته خلوتِ دلهای تنگ را
غالب، ز عاشق به ندیمی رسیده ام
نازم شکر فکاری، بختِ دورنگ را

سوزد، ز بسکه، تابِ جمالش نقاب را
دانم که در میان نه پسندد حجاب را
پیراهن از کتان و، دمام، ز سادگی
نقرین کند، به پرده دری، ماهتاب را
نازم فروغِ باده ز عکسِ جمالِ دوست
گوئی، فشرده اند بجمام آفتاب را
آتش دم به باده و او هر دم، از تمیز
نوشد می و ز جامِ فروزِ آب را

تا خود شبی به همدی ما بسربرد
در چشم بخت غیر، رها کرد خواب را



چنان گرمست بزم از جلوه ساقی، که پنداری،
گدازِ جوهرِ نظاره در جامست، مستان را
تکلف برطرف، لب تشنه بوس و کنارستم
ز رام باز چین، دامِ نوازشهای پنهان را
باندازِ صبحی، چون بگلشن ترکناز آری،
پریدهای رنگِ گل شفق گردد گلستان را
رسیدنهای منقارِ هما بر استخوان، غالب
پس از عمری، یادم داد رسم و راهِ پیکان را



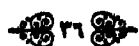
بخلوت، مژده نزدیکی یارست پهلوی را
فریب امتحانِ پاکبازی داده ام او را

الکتاب طالب

جهان، از باده و شاهد، بدان ماند که، پنداری،
بدنیا از پسر آدم فرستادند مینو را
نباشد دیده تا حق بین، مده دُستوری، اشکش
چو گوهر سنج، کو پیش از گهر سنجد ترازو را



بسکه غم تو بوده است تعیه در سرشتِ ما
نسخه فتنه می برد، چرخ ز سرنوشتِ ما
برده صد اربعینِ بسر، بر سرِ صد هزارِ خیم
گر بنهی در آفتاب، باده چکد ز خشتِ ما
باده اگر بود حرام، بذله خلافِ شرع نیست
دل نهنی بخوبِ ما، طعنه مزین برشتِ ما



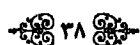
دل تابِ ضبطِ ناله ندارد؛ خدای را،
از میا بجوی گریه بی‌هایِ را

سرمنزلِ رسانی اندیشه خودیم
در ما گست جلوه پی رهنمای را
حسنِ بتان، ز جلوه نازِ تو، رنگ داشت
یخود، به بوی باده، کشیدیم لای را
یا رب! یالِ تیغ که پرواز می کند؟
تنگست دوش، فرقِ بلندی گرای را
مردم ز فرطِ ذوق و تسلی نمی شوم
یا رب! کجا برم لبِ خنجرستای را؟

تا دوخت چاره گر جگرِ چارپاره را
از بخیه، خنده بر دمِ تیغست چاره را
سرگرم مهر شد دلِ چرخِ ستیزه خو
چندان که داغ کرد جبینِ ستاره را

انتخاب بحال

ای لذتِ جفای تو، در خاکِ بعدِ مرگ،
با جان سرشته، حسرتِ عمرِ دوباره را!



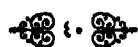
طبیعی نیست هر جا اختلاط، ازوی حذر خوشتر
کم از سوزنده آتش نیست، آبِ گرم ماهی را
دلا! گر داوری داری بچشمِ سرمه آلودش
نخستم بی زبان کن، تا بکار آیم گواهی را
مرو در خشم، گر دستی بدامانِ تو زد غالب
وکیلش من، نمی داند طریقِ دادخواهی را



لرزه دارد خطر، از هیبتِ ویرانه ما
سیل را، پای بسنگ آمده، در خانه ما
تنی از برقِ بلا تعبیه دارد در خویش
دهنِ خاک کند آبله، از دانه ما

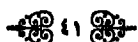
استغاثه غالب

بچراغی نرسیدیم ، درین تیره سرا
شمع خاموش بود ، طالع پروانه ما
مو برآید ز کف دست ، اگر ، دهقان را
نیست ممکن که کشد ریشه سر از دانه ما
داده بر تشنگی خویش گواهی ، غالب
دهر ما ، بزبان خطر پیانه ما



ای گل از نقش کف پای تو دامان ترا
گلشان کرد ، قبا ، سرو خرامان ترا
تا ز خون که ازین پرده شفق باز دمد ؟
رواق صبح بهارست گریان ترا
هر قدر شکوه ، که در حوصله گرد آمده بود ،
گوی گردید ، به مستی ، خم چوکان ترا

چشم آغشته بخون بین و ز خلوت بدرآی
اینک ابرِ شفق آلوده گلستانِ ترا
چه غم، از سیلِ سنگِ ستمش کرد کبود
سبزه زارِ است تمِ طرفِ خیابانِ ترا



غمّت در بوته دانش گدازد مغزِ خامان را
لبت تنکِ شکر سازد دهانِ تلخ کامان را
زهستی پاک شو، گر مردِ راهی؛ کاندین وادی
گرانیهاست، رختِ رهرو آلوده دامان را
بسا افتاده سرمست و بسا خم گشته در طاعت
تودانی، تا به لطف از خاک برداری کدaman را
جهان را خاصی و عامیست: آن مغرور و این عاجز
یا، غالب، ز خاصان بگزر و بگزار عامان را

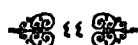


نگویم ، تازه دارم شیوه جادویسانان را
ولی در خویش بینم کارگر، جادوی آنان را
ندارد حاجتِ لعل و گهر، حسنِ خدادادت
عبث در آب و آتش رانده بازارگانان را
به لفظِ عشق، صدره کوه و دریا در میان گفتن
یاموزید، تا پیشش برید افسانه خوانان را
نگیرد دیگران را حق، بجرمی کز یکی بخشد
سرت گردم ! شفیعی روزِ محشر دلستانان را
نداند قدرِ غم، تا درنماند کس بدان، غالب
سرت خیزد، از تقلیدِ پیران، نوجوانان را

== ب ==

عالم آئینه رازست، چه پیدا، چه نهان
تابِ اندیشه نداری، به نگاهی دریاب

گر بمعنی نرمی، جلوه صورت چه کست؟
 خمر زلف و شکنِ طرفِ کلاهی درباب
 تو در آغوشی و دست و دلم از کار شده
 تشنه، بی دلو و رسن، بر سرِ چاهی درباب
 غالب و کشمکشِ بیم و امیدش، هیات ا
 یا به تیغی بکُش و یا به نگاهی درباب



گر، پس از جور، بانصاف گراید، چه عجب؟
 از حیا روی بما گر نه نماید، چه عجب؟
 بودش از شکوه خطر؛ ورنه سری داشت بمن
 بمزارم، اگر، از مهر یساید، چه عجب؟
 رسمِ پیمانِ میان آمده؛ خود را لازم ا
 گفته باشد که «ز بستن چه کشاید»، چه عجب؟

کار با مطربه زهره نهادی دارم
 گر لبم ناله بهنجار سرايد، چه عجب؟
 آن که چون برق يك جای نگيرد آرام
 گله اش در دل اگر دير نپايد، چه عجب؟
 با چنین شرم که از هستی خویشش باشد
 غالب از رخ بره دوست نساید، چه عجب؟



جنون محل بصرای تحير رانده است امشب
 نگه در چشم و آهم در جگر و امانده است امشب
 زهی آسایش جاويد! همچون صورتِ ديا
 نمر زخم تن و بستر بهم چسبانده است امشب
 بقدرِ شامِ هجرانش، درازی باد عمرش را!
 فلک نیز از کواکب سُبْحه ها گردانده است امشب

هان ! آئینه بگزار که عکسِ نفرید
نظاره یکتائی حق میکنم امشب
آتش بنهادم شده آب ، از تفِ مغزم
از تب نبود ، این که عرق میکنم امشب
نازم سخنش را و نیابم دهندش را
خوش تفرقه در باطل و حق میکنم امشب

== پ ==

تو محو خواب ، و سحر در تاسف ، از انجم
به پشتِ دست بدنِ گزیدنست ، محسب
نفس ، ز ناله ، به سنبُل درودنست ، بخیز
ز خونِ دل ، مزه در لاله چیدنست ، محسب
نشاطِ گوش بر آوازِ قلقل است ، یا
پساله چشمِ برآه کشیدنست ، محسب

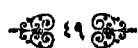
نشانِ زندگی، دلِ دویدنست، مایست
 جلای آئینه چشمِ دیدنست، غصپ
 ز دیده، سودِ حریفانِ کشودنست، میند
 ز دل، مرادِ عزیزانِ تپیدنست، غصپ
 بذکرِ مرگِ شبی زنده داشتنِ ذوقیست
 گرت فسانه غالب شنیدنست، غصپ

ت

حق جلوه گر ز طرزِ بیانِ محمدست
 آری، کلامِ حق بزبانِ محمدست
 آئینه دارِ پرتوِ مهرست، ماهتاب
 شانِ حق آشکار ز شانِ محمدست
 تیرِ قضا، هرآنکه، در ترکشِ حقست
 اما کُشادِ آن ز کانِ محمدست

انتخاب غالب

دانی، اگر بمعنی «لولاك»، وا رسی :
خود هرچه از حق است، ازانِ محمدست
هر کس قسم، بدانچه عزیزست، میخورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمدست
واعظ، حدیثِ سایه طوبیٰ فروگزار؛
کاینجا سخن ز سروِ روانِ محمدست
بنگر دو نیمه گشتنِ ماهِ تمام را
کان نیمه جنبشی ز بنانِ محمدست
ور خود ز نقشِ مهرِ نبوت سخن رود
آن نیز نامور ز نشانِ محمدست
غالب، ثنای خواجه به یزدان گزاشتم؛
کان ذاتِ پاک مرتبه دانِ محمدست



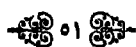
عمریست که می‌میرم و مردن نتوانم
در کشورِ یسدادِ تو فرمانِ قضا نیست

انتخابِ طالب

جنت نکند چاره افسردگی دل :
تعمیر باندازه ویرانی ما نیست
فریاد، ز زخمی که نمک سود نباشد !
هنگامه یغزای ؛ که پرسش بسزا نیست
برگشتنِ موکانِ تو از روی عتابست
کاندر دلم، از تنگی جا، يك مژه جا نیست



رشكِ دهانت گراشت، غنچه گل چون شکفت
دید که از روی کار پرده برافتاده است
آن همه آزادی ، و این همه دلدادگی !
حیف که غالب ز خویش یخبر افتاده است !



در گردِ ناله ، وادی دل رزمگاهِ کیست ؟
خونی که میدود بشرائین ، سپاهِ کیست ؟

انتخاب ثالث

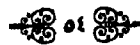
رشك آیدم بروشنی دیده‌های خلق
دانسته‌ام که از اثرِ گردِ راهِ کیست
با من بخوابِ ناز و من از رشك بدگان :
تا عرصه خیالِ عدو جلوه‌گاهِ کیست ؟
میخود ، بوقتِ ذبح ، تبیدنِ گناهِ من !
دانسته ، دشنه تیز نکردنِ گناهِ کیست ؟



یاد از عدو نیارم و این هم ز دورین نیست
کاندر دلم گزشتن ، با دوست همنشین نیست
در عالمِ خرابی ، از خیلِ منعمانم
سیلم برخت شوی ، برقم بخوشه چین نیست
نازم بزودیابی ؛ نازد بگوش و گردن
چندان که ابرِ نیشان در گوهر آفرین نیست

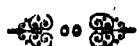


فربِ آشتی ده ، ظفر مبارك باد !
 دلِ ستم زده در بندِ امتحانِ تو نیست
 گمانِ زیست بود بر مَنّت ز یِددی
 بد است مرگ ؛ ولی بدتر از گمانِ تو نیست



ایکه گفتم : « غم درونِ سینه جان فرساست » ، هست
 خامشیم ، اما اگر دانی که حق با ماست ، هست
 این سخن حق بود و گاهی بر زبانِ ما نرفت
 چون تو خود گفتم که « خوبان را دل از خار است » ، هست
 باری از خود گو که چونی ؛ و ر ز من پرسی ، بپرس
 بختِ ناساز است ؟ آری ؛ یارِ بی پرواست ؟ هست
 خوی یارت را تو دانی ؛ ورنه از حسن و جمال
 زلفِ عنبر بوست ؟ دارد ؛ عارضِ زیباست ؟ هست

صبر و نگاه از تو، پندارم، نه حدِ آدمیست
و اینکه می‌گوئی: «بظاهر گرم استغناست»، هست



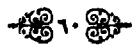
سینه بکشودیم و خلق دید کاینجا آتشست
بعد ازین، گویند آتش را که «گویا آتشست»،
هم بدین نسبت ز شوخی در دلت جا کرده‌ایم
فاش گوئیم: «از تو سنگست، آنچه از ما آتشست»،
پاک خور امروز و زهار از پیء فردا منه
در شریعت، باده امروز آب و فردا آتشست



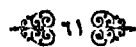
بخود رسیدنش، از ناز، بسکه دشوارست
چو ما، بدام تمنای خود گرفتارست
تمام زحمت؛ از هستیم چه می‌پرسی
ز جسم لاغر خویشم، به پیرهن خارست

انتخاب غالب

ناچار، با تفاغرِ صیاد ساختم
پنداشتم که حلقهٔ دام آشیانه‌ایست



هرچه فلكِ نخواستست، هیچ کس از فلكِ نخواست
ظرفِ فقیه می نجُست، بادهٔ ما گرزكِ نخواست
غرقه بموجه تاب خورد، تشنه زدجله آب خورد
زحمتِ هیچ يك نداد، راحتِ هیچ يك نخواست
سهل شمرد و سرسری، تا تو ز عجز نشمری
غالب اگر، بداوری، دادِ خود از فلكِ نخواست



ما لاغیریم، گر کمرِ یار نازکست
فرقیست درمیانه که بسیار نازکست
دارم دلی، ز آبله نازك نهادتر
آهسته پا نهم که سرِ خار نازکست



می رجد، از حملِ ما، بر جفای خویش
هان شکوه که خاطرِ دلدار نازکست!



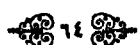
در کشاکشِ ضعفم، نگسلد روان از تن:
اینکه من نمی‌میرم، هم ز ناتوانی‌هاست
از خمیدنِ پشتم، روی بر قفا باشد
تا چها، درین پیری، حسرتِ جوانی‌هاست!
کشته دلِ خویشم، کز ستمگران بکسر
دید دلفریبی‌ها، گفت: «مهربانی‌هاست»
ایکه اندرین وادی، مژده از هما دادی!
بر سرم، ز آزادی، سایه را گرانی‌هاست



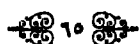
داد از تظلمی که بگوشت نمی‌رسند!
آه از توقعی که وجودش نمانده است!

انتخاب غالب

غالب زبان بریده و آکنده گوش نیست
اما دماغ گفت و شنودش نمانده است

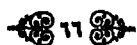


از دوست، میلِ قرب به کشتن، غنیمتست
گر تیغ، ور کمان، به نشاطِ کند نیست
آن لابه‌های مهرِ فرا را محل نماند
برخوان خود را آن یَکاده؛ که ما را سپند نیست



منعِ ما از باده، عرضِ احتسابی بیش نیست
محتسب، افشردۀ انگورِ آبی بیش نیست
رنج و راحت بر طرف! شاهد پرستانم ما
دوزخ، از سرگرمیِ نازش، عتابی بیش نیست
قطره و موج و کف و گرداب جیخونست و بس
این من و مانی که می‌بالد، حجابی بیش نیست

خویش را، صورت پرستان هرزه رسوا کرده اند!
 جلوه می نامند و در معنی نقابی بیش نیست
 شوخی اندیشه خویشست، سر تا پای ما
 تار و پود هستی ما پیچ و تاب بیش نیست
 نامه بر، از پیشگاه ناز، مکتوب مرا
 پاسخی آورده است؛ اما جوابی بیش نیست
 چند رنگین نکته دلکش؛ تکلف برطرف!
 دیده ام دیوان غالب: انتخابی بیش نیست



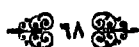
لذت عشقم، ز فیض بینوائی، حاصلست
 آنچنان تنگست دست من که، پنداری، دلست
 بسکه ضبط مشق غم فرسود اعضای مرا
 راز دل از هم نشینانم نهفتن مشکست
 عقل در اثبات وحدت خیره می گردد چرا؟
 هرچه جز هستیست هیچ و هرچه جز حق باطلست



ما همان عینِ خودیم؛ اما خود از و همِ دوق
در میانِ ما و غالب، ما و غالب حائلست



هم وعده و هم منع ز بخشش، چه حسابست؟
جان نیست؛ مکرر توان داد: شرابست
در مژده ز جویِ عسل و کاخِ زمر
چیزی که به دلبستگیِ ارزد، میء ناپست
با این همه دشوارپسندی، چه کند کس؟
تا پرده برانداخته، در بندِ حجابست



ریگ در بادیۀِ عشق روانست هنوز
تا چها پایِ درین راه بفرسودن رفت!
باخت از بسکه زلیخا، به تماشای تو، رنگ؛
از حیا، بر درِ زندانِ بگل اندودن رفت

انتخاب غالب

۶۹

نظاره عرضِ جمالت ز نوبهار گرفت
شکوهِ صاحبِ خرمن ز خوشه چین پیداست
رسید تیغِ توام بر سرو ز سینه گزشت
زهی شکفتگیِ دل، که از جبین پیداست!
بحرم دیده خونبار، کشته ما را
ترا ز دامن و ما را ز آستین پیداست
زهی شکوهِ تو! کاندر طرازِ صورتِ تو
ز خود برآمدنِ صورتِ آفرین پیداست

۷۰

گر بار نیست، سایه خود از ید بوده است
باری، بگو که «از تو چه امید بوده است»
ظالم هم، از نهادِ خود، آزار میکشد
بر فرقِ ازه، ازه تشدید بوده است



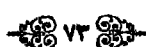
❦ ۷۱ ❦

یار، در عهدِ شبابم، بکنار آمد و رفت
 همچو عیدی که در ایامِ بهار آمد و رفت
 برق، تمثالِ سراپای تو میخواست کشید
 طرزِ رفتارِ ترا آئینه دار آمد و رفت
 هله! غافل، ز بهاران چه طمع داشته؟
 گیر، کامسالِ برنگینی. پار آمد و رفت

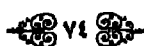
❦ ۷۲ ❦

اختری خوشتر ازینم بجهان می بایست
 خردِ پیرِ مرا بختِ جوان می بایست
 زمینی که باهنگِ غزل بنشینم
 خاکِ گلبوی و هوا مشکِ فشان می بایست
 برتابم بسبو باده ز دور آوردن؛
 خانه من بسرِ کوی مغان می بایست

هرزه، دل بر در و دیوار نهادن نتوان
سویم، از روزنه، چشمی نگران می بایست



در دلش جوئی و در دیر و حرم نشناسی:
تا چه روداد، که در زاویه پنهان شده است؟
گفتم: «البته ز من شاد بمردن گردی،
گفت: «دشوار؛ که مردن بتو آسان شده است،
دُردِ روغن بچراغ، و کدرِ می بایاغ
تا خود از شب چه بجا ماند که مهیا شده است؟
شاهد و می ز میان رفته و شادم بسخن:
یکشته ام پید درین باغ که ویران شده است؟



فغان! که برقِ عتابِ تو آن چنانم سوخت
که راز در دل و مغز اندر استخوانم سوخت

شفیده که بآتش نه سوخت ابراهیم
 بین که بی شرر و شعله می توانم سوخت
 مرا دمیدنِ گل در گان فکند امروز
 که باز بر سر شاخِ گل آشیانم سوخت



گفتم: «بروزگار سخنور چو من بسیست»
 گفتند: «اندرین که تو گفتی سخن بسیست»
 معنی غریبِ مدعی و خانه زاده ماست:
 هرجا عقیق نادر و اندر یمن بسیست
 مشکین غزاله ها، که نه بینی بهیچ دشت
 در مرغزارهای ختا و ختن بسیست
 در صفحه نبودم همه آنچه در دلست:
 در بزم کمرست گل و در چمن بسیست

چو صبحِ من، ز سیاهی، بشام مآندست
 چه گوئیم که «ز شب چند رفت یا چندست»؟
 به رنج، از پیء راحت، نگاهداشته اند
 ز حکمتست که پای شکسته در بندست
 ز بیمِ آن که، مبادا، بمیرم از شادی
 نگوید، ارچه بمرکِ من آرزومندست
 اگر نه بهرِ من، از بهرِ خود عزیزم دار؛
 که بنده، «خوبی» او خوبیء خداوندست
 نه آن بود که وفا خواهد از جهان غالب
 بدین، که پرسد و گویند: «هست»، خرسندست

تَرَکِ مرا، زگیر و دار، مُشغل غرض بود، نه سود
 فره اگر نیافت صید، مُخرده به لاغری گرفت

۷۸

در هر مژه برهم زدن ، این خلق جدیدست
نظاره سگالد که همانست و همان نیست
در شاخ بود موج گل ، از جوش بهاران
چون باده بمینا که نهانست و نهان نیست
پهلو بشکافید و به یینید دلم را
تاچند بگویم که چسانست و چسان نیست !

۷۹

دل بُرد و حق آنست که دلبر توان گفت
سیداد توان دید و ستمگر توان گفت
در رزمگش ، ناچرخ و خنجر توان برد
در بزمگش ، باده و ساغر توان گفت
رخشندگی ساعد و گردن توان بُجست
زیندگی یاره و پرگر توان گفت

تغایب طالب

پیوسته دهد باده و ساقی نتوان خواند
همواره تراشد بت و آزر نتوان گفت
از حوصله یاری مَطْلَب؛ صاعقه تیزست
پروانه شو، اینجا ز سمندر نتوان گفت
هنگامه سرآمد، چه زنی دم ز تظلم؟
گر خود ستمی رفت، بمحشر نتوان گفت
در گرم روی، سایه و سرچشمه نجویم
با ما، سخن از طوبی و کوثر نتوان گفت
آن راز که در سینه نهانست، نه وعظمت
بر دار توان گفت و به منبر نتوان گفت
کاری عجب افتاد بدین شیفته ما را
مومن نبود غالب و کافر نتوان گفت



اندوده بداغی، دو سه پرکاله فرو ریخت
چون برگِ شقائق، جگر، از ناله، فرو ریخت



بر ساده دلانت، بوقا جلوه همی داد
 بیداد تو آب رخ دلاله فرو ریخت
 رشک خط روی تو گرفتد بدین رنگ
 بینی که مه از دایره هاله فرو ریخت



خواست کز ما رنج و تقریب رنجیدن نداشت
 جرم غیر از دوست پرسیدیم و پرسیدن نداشت
 آمد و از تنگی جا جبهه پُرچین کرد و رفت
 بر خود، از ذوق قدوم دوست، بالیدن نداشت
 گل فراوان بود و می پرزور، دوشم بر بساط
 خود بخود پیمانه می گردید و گردیدن نداشت
 جوش حسرت بر سر خاکم، زبس، جا تنگ کرد
 همچو نبض مرده، دود شمع جنیدن نداشت

— ۸۲ —

ترا که موجّه کل تا کمر بود، دریاب
که غرقِ خون بدرِ بوستانِ سرای تو کیست ؟
بلا، به صورتِ زلفِ تو، رو بما آورد
به بندِ خصمی دهرم؛ مبتلای تو کیست ؟
فرشته ا معنی «مَنْ رَبُّكَ؟»، نمی فهمم
بمن بگوی که غالب، بگو، خدای تو کیست ؟

— ۸۳ —

بودنی که دران خضر را عصا خفتست
بسینه می سپرم ره، اگرچه پا خفتست
به صبحِ حشر، چنین خسته رویه خیزد
که در شکایتِ درد و غم دوا خفتست
هوا مخالف و شب تار و بحر طوفان خیزد
گسسته لنگرِ کشتی و ناخدا خفتست



غمّت بشهر شینخون زنان، به بُنگِ خلق
 عسس بخانه و شه در حرم سرا خفتست
 درازی شب و یداریء من، این همه نیست
 ز بختِ من خبر آرید، تا بجا خفتست
 دگر ز ایمنیء راه و قربِ کعبه چه حظ؟
 مرا که ناله ز رفتار ماند و پا خفتست
 بخواب، چون خودم آسوده دل بدان، غالب
 که خسته غرقه بخون خفته است، تا خفتست

کشته را رشکِ کشته دگر است
 من و زخمی که بر دل از جگر است
 مستی اندازِ لغزشی دارد
 حیفِ پائی که آفتش ز سر است
 شه حریر و گدا پلاس بُرید
 آنچه من قطع کرده ام، نظر است

استخاب غالب

— ۸۵ —

نامه، از سوزِ درونم، به رقم سوخته شد
قاصد ار دم زند از حوصله، پیغامی هست
که رخ آرائی و گه زلفِ سیه تاب دهی
یاد ناری که مرا تیره سرانجامی هست
بی تو گر زیسته‌ام، سختی این درد بسنج
بگزر از مرگ که وابسته بهنگامی هست
می‌صافی ز فرنگ آید و شاهد ز تار
ما ندانیم، که بغدادی و بسطامی هست؟

— ۸۶ —

گیرم، ز داغِ عشقِ تو، طرفی نه بست دل
اینم نه بس بود که جگر روشناس کیست؟
از یکسانِ شهرم و از ناکسانِ دهر
گر کشته، سرِ تو سلامت اهراس کیست؟

آنکه، بی پرده، بصد داغ نمایانم سوخت
 دیده پوشید و گان کرد که پنهانم سوخت
 نه بدر جسته شرار و نه بیجا مانده رماد
 سوختم؛ لیک ندانم، بچه عنوانم سوخت
 سودم از ارزشم افزون بود: آن خار و خشم
 گریه پشه، توان در چنستانم سوخت
 کردم از سنگ جگر، تا نشوم خسته عشق
 هم بدان سنگ بهم خوردن پیکانم سوخت
 دیگر از خاتمه کفر چه گویم، غالب؟
 من که رخشندگی جوهر ایمانم سوخت

در بذل لالی، وز قم دستِ کرمست
 فی فی، فی. کلکم رگِ موکانِ بیتست

رشح کفر جم می چکد از مغزِ سفالم
 سیرابی، نظم اثرِ فیضِ حکیمست
 از آتشِ لهراسپ نشان می دهد، امروز
 سوزی که بخاکم، ز تو، در عظمِ رمیمست



افغانِ مرا یهشی، ساخته نیست
 در زمزمه، بوی جگر سوخته هست
 در دیده، ز رخ پرده برانداخته نیست
 در سینه، دو صد عریده اندوخته هست
 زان سوی، بمیدانِ وفا تاخته نیست
 زین سو، هوسِ جان سپری توخته هست
 در راهِ ثوابش، قدرِ افراخته نیست
 در بزمِ عتابش، رخِ افروخته هست



با من که عاشقم ، سخن از تنگ و نام چیست ؟
 در امرِ خاص حجتِ دستورِ عام چیست ؟
 مستم ز خونِ دل ، که دو چشم ازان پُر است
 گوئی : « بخور شراب ، و نه بینی ، بجام چیست
 دلخسته غمیم و بود می دوی ما
 با خستگان حدیثِ حلال و حرام چیست ؟
 از کاسه کرام ، نصیبت خاک را
 تا از فلک نصیبه کاسِ کرام چیست ؟
 نیکی ز تست ؛ از تو نخواهیم مزدِ کار
 و ر خود بدیم ، کارِ تو ایم ؛ انتقام چیست ؟
 غالب اگر نه خرقه و مصحف بهم فروخت
 پرسد چرا که نرخ می لعل فام چیست ؟

انتخاب غالب

— ۹۱ —

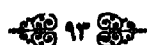
چون اصل کار در نظرِ همنشین نبود
بیچاره خرده بر روشِ جستجو گرفت!
گفتم: «خود از مشاهده بخشایش آورد،
خوش باد حالِ دوست که حالم نکو گرفت!
فرمان روا نه گشت مسلمان بهیچ عصر:
گر رفت مغ ز میکده، ترسا فروگرفت
رضوان چو شهد و شیر به غالب حواله کرد
بیچاره باز داد و میء مشک بوگرفت!

— ۹۲ —

غبارِ طرفِ مزارم به پیچ و تابِ هست
هنوز، در رگِ اندیشه اضطرابِ هست
بیانکِ صور، سر از خاکِ برنمی‌داوم
هنوز، در نظرم چشمِ نیمخوابِ هست

انتخاب غالب

بهارِ هند بود برشکال ، هان ! غالب
درین خزان کده هم ، موسمِ شرابی هست

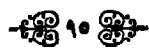


نه هرزه ، همچونی ، از مغزم استخوان خالیست
که جای ناله زاری درین میان خالیست
روم بکعبه ز کوی تو و ز حق خجلم
ز سجده جبهه و از پوزشم زبان خالیست
خرابِ ذوقِ بر و دوشِ کیستم ، غالب ؟
که چون هلال ، سراپایم از میان خالیست



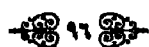
شکافی ار جگرِ ذره ، نم برون ندهد
بودنی که مرا بار درِ گل افتادست
درین روش ، بچه امید دل توان بستن ؟
میانه من و او شوق حایل افتادست

به صبر کم نَمیم؛ اما عیارِ ایوبی
 بقدرِ آن که گرفتند، کامل افتادست
 بروی صیدِ تو، از ذوقِ استخوانِ تنش
 هما، ز تیزی پرواز، بسمل افتادست
 چو اندر آئنه، با خویش لابه ساز شوی
 ز خود بجوی که ما را چه در دل افتادست
 حریفِ ما همه بی بذله می خورد، غالب
 مگر ز خلوتِ واعظ به محفل افتادست؟



ایمنیم از مرگ، تا تیغت جراحت بار هست
 روزی ناخورده ما در جهان بسیار هست
 ما و خاكِ ره‌گزر بر فرقِ عریان ریختن
 گل کسی جوید که او را گوشه دستار هست
 بر سرِ کوی تو، با مهرم بچنك آرد همی
 این هجومِ ذره کاندَرِ روزنِ دیوار هست

در پرستش سستم و در کام چونی استوار:
بادشه را بنده کم خدمت پرخوار هست
دور باش از ریزه های استخوانم، ای هما
کاین بساط دعوت مرغان آتش خوار هست
کهنه نخل تازه از صرصر ز پا افتاده ام
خاکم ار کاوی، هنوزم ریشه در گلزار هست



چشم از ابر اشکبار ترست
از عرق، جبهه بهار ترست
گریه کرد از فریب و زارم گشت
نگه از تیغ آبدار ترست
ای که خوی تو همچو روی تو نیست
دیده از دل امیدوار ترست
خسته از راه دور می آیم
با ز تن پاره فگار ترست

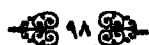


شکوه از خوی دوست توان کرد
 باده تند سازگار ترست
 میرسد، گر بخویشتن نازد
 غالب از خویش خاکسار ترست

۹۷

ظهور بخشش حق را ذریعه بی سبب است
 وگرنه شرم گنه در شمار بی ادب است
 رموز دین نشناسم درست، و معذورم
 نهاد من عجمی و طریق من عربیست
 نشاط جم طلب از آسمان، نه شوکت جم
 قدح مباش ز یاقوت، باده گر علیست
 بود بطالع ما آفتاب تحت الارض
 فروغ صبح ازل، در شراب نیم شب است
 نه هم پیالگی زاهدان بلائی بود؟
 خوشست، گرمی یغش خلاف شرع نیست

عبودیت نکند اقتضای خواهشِ کام
دعا بصیغه امرست و امر بی ادیست
میانِ غالب و واعظ نزاع شد، ساقی
یا به لایه؛ که هیجانِ قوتِ غضبیت



نشاطِ مغنویان از شرابخانه تست
فسونِ بابلیان فصلی از فسانه تست
پیام و آئینه، حرفِ جم و سکندر چیست؟
که هرچه رفت بهر عهد، در زمانه تست
هم از احاطه تست این که در جهان ما را
قدم به بتکده و سر بر آستانه تست
سپهر را، تو بتاراج ما گاشته
نه هرچه دزد ز ما برد، در خزانه تست؟

انتخاب غالب

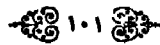
ث

محو خودست، لیک نه چون من، درین چه بحث؟
او چون خودی نداشته دشمن، درین چه بحث؟
افسانه گوست غیر؛ چه مهر افکنی برو؟
غم برتابد این همه گفتن؛ درین چه بحث؟
جیحون و نیل نیست، دلست؛ از خدا بترس!
گر نیست خون دیده بدامن، درین چه بحث!
بعد از حزن، که رحمت حق بر روانش باد!
ما کرده ایم پرورش فن؛ درین چه بحث؟
او جسته جسته غالب و من دسته دسته ام
عرفی کیست، لیک نه چون من؛ درین چه بحث؟

ج

نقشم گرفته دوست؛ نمودن چه احتیاج؟
آئینه مرا بزودن چه احتیاج؟

با پیرهن ، ز ناز ، فرومیروء بدل
 بندرِ قبای دوست کشودن چه احتیاج ؟
 چون میتوان بره گزرِ دوست خاک شد
 بر خاکِ راه ، ناصیه سودن چه احتیاج ؟
 در دستِ دیگرست ، سفید و سیاه ما
 با روز و شب ، بعریده بودن چه احتیاج ؟



جلوه می خواهیم ، آتش شو ، هوای ما مسنج
 دستگامِ خویش بین و مدعای ما مسنج
 همنشین ! داروده و دل در خدای پاک بند
 میروی از کار ؛ دردِ بی دوائی ما مسنج
 ای که نقشِ ما بری ! پندارم ، از ما بوده
 دست مزدِ او چه داری ؟ خونبهای ما مسنج
 زاری ما در غمِ دل دید و شادی مرگ شد
 مردنِ دشمن ز تاثیرِ دعای ما مسنج

انتخاب غالب

درگزر زین پرده ، چون دمسازِ غالب نیستی
مدعی ! هنجارِ خود گیر و نوای ما مسنج

== چ ==

در پرده شکایت ز تو داریم ، و بیان هیچ
زخمِ دلِ ما جمله دهانست ، و زبان هیچ
ای حسن ! گرازِ راست نرنجی ، سخنی هست :
ناز این همه ، یعنی چه ؟ کمرِ هیچ و دهانِ هیچ
عالم همه مرآتِ وجودست ؛ عدم چیست ؟
تا کار کند چشم ، محیطست و کرانِ هیچ
در پردهٔ رسوائی منصور نوائست
رازت نشنودیم ازین خلوتیانِ هیچ
غالب ، ز گرفتاریِ اوهام برون آی
بالله ! جهانِ هیچ و بد و نیکِ جهانِ هیچ

موجه از دریا، شعاع از مهر، حیرانی چراست؟
 محورِ اصلِ مدعا باش و بر اجزایش مپیچ
 آسمان و همست؛ از برجیس و کیوانش مگوی
 نقشِ ما هیچست؛ بر پنهان و پیدایش مپیچ
 دل از آنِ تست و نعمتهای الوانش تراست
 سخت درم، چون سِماطِ خوانِ یغایش مپیچ
 پیش ازین کی بود؟ این هم التفاتی بوده است
 اینقدر بر خود، ز رنجشهای ییجایش، مپیچ
 نعشِ غالبِ همچنین بر جا گزار؛ آخر شبست
 خیز و در کُلی پرندِ گوهر آمایش مپیچ

— — — ح — — —

پیش ازین، بادِ بهار این همه سرمست نبود
 شبِ نیم ماست که ترک کرده دماغِ دمِ صبح

حقِ آن گرمیِ هنگامه که دارم بشناس
ای که در بزمِ تو مانم بچراغِ دمِ صبحِ ا

== خ ==

ای جمالِ تو، بتاراجِ نظرها، گستاخِ ا
وی خرامِ تو، پیامالیِ سرها، گستاخِ ا
داغِ شوقِ تو، به آرایشِ دلتا، سرگرمِ ا
زخمِ تیغِ تو، به گلگشتِ جگرها، گستاخِ ا

❦ ۱۰۶ ❦

با تو شد همسخن، پیام‌گزار
چه شکیم بارزشِ پاسخ؟
قاصدِ من براهِ مرده و من
همچنان در شمارهٔ فرسخِ ا
مرکزِ غالبِ دلت بدرد آورد
خویش را کشت و هرزه کشت، آوخِ ا

== د ==

و قاتلی بگذارم، که تیغ و خنجر را
بحکمِ وسوسه، زهراب بی شکون ندهد!
بن گرای و وفا جو؛ که ساده برهنم:
بسنگ هر که دهد دل، بغمزه چون ندهد؟

❦ ۱۰۸ ❦

نگاهش از بسِ نامه وفا ریزد
سوادِ صفحه ز کاغذ، چو توتیا، ریزد
بفرقی ما اگرش ناگهان گزار افتد
چو گرد، سایه ز بال و پرِ هما ریزد

❦ ۱۰۹ ❦

به بندِ پرسشِ حالم نمی توان افتاد
توان شناخت ز بندی که بر زبان افتاد
هم از تصرفِ یتیمی زلیخا بود
بچاهِ یوسف، اگر راهِ کاروان افتاد

— ۱۱۰ —

غم چو بهم در افکند ، رو که مراد میدهد :
دانه ذخیره می کند ، گاه پیاد میدهد
مست عطای خود کند ساقی ما ، نه مست می :
داده ز یاد می برد ، بسکه زیاد میدهد

— ۱۱۱ —

دل ، اسباب طرب گم کرده ، در بندِ غم نان شد
زراعت گام دهقان می شود ، چون باغ ویران شد
خدا را ، ای بتان ! گرد دلش گردیدنی دارد
دریغا آبروی دیرا گر غالب مسلمان شد

— ۱۱۲ —

راز از سینه بمضرب نریزم برون
ساز عاشق ، ز شکستن ، بصدای آید
رفته ، در حسرتِ نقشِ قدمی ، عمر بسر
جاده را که بسر منزل ما می آید

خوشست آن که با خویش جز غم ندارد
ولی خوشترست آن که این هم ندارد
گلت را نوا، نرگست را تماشا:
تو داری بهاری که عالم ندارد

مژده صبح درین تیره شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند
رخ کشودند و لبِ هرزه سرایم بستند
دل ربودند و دو چشمِ نگرانم دادند
هرچه در جزیه ز گبران می ناب آوردند
بشبِ جمعه ماهِ رمضانم دادند
هرچه از دستگیرِ پارس به یغما بردند
تا بنالم، هم ازان جمله زبانم دادند

انتخاب غالب

— ۱۱۰ —

تا گیم ، دودِ شکایت ز میان برخیزد؟
بز آتش که شنیدن ز میان برخیزد
می رمی از من و خلق بگناست ز تو
یسمحاًبا شو و بنشین که گمان برخیزد
جزوی از عالم و از همه عالم یشم
همچو موتی که بتان را ز میان برخیزد

— ۱۱۶ —

گویم سخی ، گرچه شنیدن نشناسد
صبحیست شبنم را که دمیدن نشناسد
بی پرده شو از ناز و میندیش ؛ که ما را
چون آئینه ، چشمیست که دیدن نشناسد
پیوسته روان از مژه خونِ جگرستم
رنگیست رخم را که پریدن نشناسد

انتخاب غالب

— ۱۱۷ —

هر دم ، ز نشاطم ، دلِ آزاد بچنبد
تا کیست درین پرده که بی باد بچنبد ؟

— ۱۱۸ —

گم شد نشانِ من ، چو رسیدم بکنجِ دیر
مآتندِ آن صدا که بگوشِ گران رسد
در دامِ بهر دانه نیتم ؛ مگر قفس
چندان کنی بلند که تا آشیان رسد
امیدِ غلبه نیست ، بکیشِ مغان درآی
می ، گر بجزیه دست نداد ، ارمغان رسد

— ۱۱۹ —

عاشق ، چو گفتیش که « برو » ، زود میرود
نازم بخواجگی ! غضبِ آلود میرود
از ناله ام مرنج ؛ که آخر شدست کار
شمعِ خوشم و ز سرم دود میرود

رشکِ وفا نگر، که بدعوی که رضا
 هر کس چگونه در پی مقصود میرود
 فرزند زیر تیغ پدر می نهد گلو
 گر خود پدر در آتش نمرود میرود

۱۲۰

دانست کز شهادتم امیدِ حور بود
 برگشتم ز دین، دمِ بسل، ضرور بود
 رفت آن که ما ز حسن مدارا طمع کنیم
 سر رشته، در کفِ آرنی، گویِ طور، بود
 مجرمِ مسنج رندِ «آنا الحق»، سرای را
 معشوقه خودنمای و نکبانِ غیور بود
 نازم بامتیاز که بگزشتن از گناه
 با دیگران ز عضو و بما از غرور بود!

— ۱۲۱ —

ز گرمی، نکبت، خونِ دل بجوش آمد
 ز شادی، ستمت، سینه در خروش آمد
 بچنان نوید که شرم از میانه هم رفت
 به عیش مزده که وقتِ وداع هوش آمد
 ز وصلِ یار قناعت، کنون، به پیغامیست
 خزانِ چشم رسید و بهارِ گوش آمد

— ۱۲۲ —

جان، بر سرِ مکتوبِ تو، از شوق فشاندن
 از عهدِ تحریرِ جوابم بدرآورد

— ۱۲۳ —

گرسته به که برآید ز فاقه جانش و لرزد
 از آنکه در رسد از راه میهمانش و لرزد
 نفس، بگردد دل از مهر، می تپد بفراق
 چو طایری که بسوزانی آشیانش و لرزد

آنانکه وصلِ یارِ همی آرزو کنند
باید که خویش را بگدازند و اُو کنند
وقتست کز روانِ می ، ساقیانِ بزم
پیمانه را حبابِ لبِ آبخو کنند
آلودهٔ ریا نتوان بود ، غالباً
پاکست خرقة که به می شست و شو کنند

چون گویم ، از تو بر دلِ شیدا چه می‌رود ؟
بنگر ، بر آبکینه ز غارا چه می‌رود ؟
گویی : « مباد ! در شکنِ طَرَه خون شود ،
دل زانِ تست ، از گرهٔ ما چه می‌رود ؟
هفت آسمان بگردش و ما در میانه ایم
غالب ، دگر می‌رس که بر ما چه می‌رود

نه از شرمست کز چشم وی آسان بر نمی آید
نگاهش ، با درازپسای مژگان ، بر نمی آید
مرت گروم ! بزن تیغ و دوی بر روی دل بکشا
دلم تنگست ؛ کار از زخم پیکان بر نمی آید
بدوشِ خلق نعش ، عبرتِ صاحبِ دلان باشد
پای خود ، کسی از کوی جانان بر نمی آید

په حیثی از وعده ، چون باور ز عنوانم نمی آید ؟
بنوهی گفت : « می آیم » که میدانم نمی آید
گرشتم زانکه بر زخم دلِ صد پاره بخون گیرید
خود او را خنده ، بر پناثرِ گریانم ، نمی آید
براهِ کعبه زادم نیست ؛ شادم کز سبکباری
رفتم ، پای بر رخاِ مغیلام نمی آید



دیرم ، شاعرم ، وندم ، ندیم ؛ شیوه‌ها دارم
گرفتم ، رحم بر فریاد و افغانم نمی‌آید



چون یونِ بزمین ، چرخ زمینِ تو شود
خوش بهشتیست که کس راه‌نشینِ تو شود !
چون بسجد که نه آنست ، بکاهد از شرم
ماه یک چند ییالد که جبینِ تو شود



دل در افروختنش منتِ دامن نکشید
شادم از آه که هم آتش و هم باد آمد !
خیز و در ماتم ما سرمه فروشوی ز چشم
وقتِ مشاطگیِ حسنِ خداداد آمد
بر درِ یار چه غوغاست ؟ عزیزان ، بروید
خون‌ها مودِ سبکدستیِ جلاد آمد

دوش ، کز گردش بختم کله ، بر روی تو بود
چشم سوی فلک و روی سخن سوی تو بود
آنچه شب شمع گمان کردی و رفتی بعتاب
نفسم پرده کشای اثرِ خوی تو بود
دوست دارم گری را که بکارم زده اند
کاین همانست که پیوسته در ابروی تو بود
لاله و گل دمد از طرفِ مزارش پسِ مرگ
تا چها در دلِ غالب هوسِ روی تو بود !

گر چنین نازِ تو آماده یغما ماند
به سکندر نرسد ، هرچه ز دارا ماند
در بغل دشنه نهان ساخته غالب ، امروز
مکوارید که ماتم زده تنها ماند !

در کُلبهٔ ما ، از جگر سوخته ، بو برد
 با ما گله سنجید و شہات بعدو برد
 يك گریه پس از ضبطِ دو صد گریه رِضا ده
 تا تلخی آن زهر توانم ز گلو برد
 نازد به نکویان ، ز گرفتاری غالب
 گوی ، بگرو برد دلی را که ازو برد

نادان صنم من روشِ کار نداند
 بر هر که کند رحم ، سر از بار نداند
 بی دشنه و خنجر ، نبود معتقدِ زخم
 دلهای عزیزان ، بغم افکار نداند
 بر تشنه لبِ بادیه ، سوزد دلش ، از مهر
 اندوهِ جگر تشنه دیدار نداند

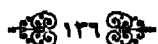
دل را ، بغم ، آتشکده راز نسجد
دم را ، به تف ناله ، شرربار نداند
دشوار بود مردن و دشوارتر از مرگ
آنست که من میرم و دشوار نداند !

۱۳۴

خوشم که گنبد چرخ کهن فروریزد
اگرچه خود همه بر فرق من فروریزد
ز جوش شکوه یدادِ دوست می ترسم
مباد ! مهر سکوت از دهن فروریزد
دهد به مجلسیان باده و به نوبت من
بمن نماید و در انجمن فروریزد
مکن به پرشتم از شکوه منع ؛ کاین خونست
که خود ز زخم ، دم دوختن ، فروریزد



بوصل ، لطف باندازه تحمل کن
 که مرکب تشنه بود ، آب چون ز سر گزرد
 نفس ، ز آبله های دلم ، برآرد سر
 چنان که رشته ، در آمودن ، از گهر گزرد



نیست وقتی که بما کاهشی از غم نرسد
 نوبت سوختن ما به جهنم نرسد
 خواجه فردوس ، به میراث ، تمنا دارد
 وای اگر در روش نسل به آدم نرسد
 هرکجا دشنه شوق تو جراحت بارد
 جز خراشی ، به جگرگوشه آدم نرسد
 طوبی فیض تو هرجا گل و بار افشاند
 جز نسیمی ، به پرستش که مریم نرسد

❦ ۱۳۷ ❦

آزادگست سازی ، اما صدا ندارد
از هرچه درگشتیم ، آوازِ پا ندارد
ای سبزه سرِ ره ۱ از جورِ پا چه نالی ؟
در کیشِ روزگاران ، گلِ خونها ندارد
« بر خویشتن به بخشای » ، گفتم : « دگر تو دانی
دارم دلی که دیگر تابِ جفا ندارد ،

❦ ۱۳۸ ❦

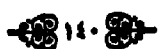
شوقم ، ز پند ، بر درِ فریاد می زند
بر آتشِ من ، آبِ دم از باد می زند
منونِ کاوشِ مژه و نیشتر نیم
دل موجِ خون ، ز دردِ خداداد ، می زند

❦ ۱۳۹ ❦

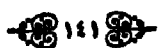
« باید ز می هرآینه پرهیز » ، گفته اند
آری ، « دروغِ مصلحت آمیز گفته اند



خون ریختن بکوی تو، کردار چشم ماست
مردم ترا برای چه خونریز گفته اند؟



ای لاله! بر دلی که سیه کرده مناز
داغ تو بر دماغ که بوی کباب زد؟



تنگِ فرهادم بفرسنگ از وفا دور افکند
عشقِ کافر، شغلِ جان دادن بمزدور افکند!
چون بپوید کام، تا تختی پرستاری کنم،
خویش را بر رختِ خواب، از ناز، رنجور افکند
وقتِ کار، این جنبشِ خلخال کاندلر ساقِ تست
حلقهٔ رغبت بگوشِ خونِ منصور افکند



بره، با نقشِ پای خویشم، از غیرت، سری باشد
که ترسم، دوستِ جوان را بکوشِ رهبری باشد



چه گویم سوزِ دل با چون تو غم نادیده بدمستی
مثالی وانمایم ، گر کباب و اخگری باشد
نخواهد بود رسم آنها ، بدیوانِ داوری بردن
گرقم ، کشورِ مهر و وفا را داوری باشد
مکیدم آن قدر کز بوسه و دشنام خالی شد
لبِ یارست و حرفی چند ، گو با دیگری باشد

—۱۴۲—

دل نه تنها ، ز فراقِ تو ، فغان ساز دهد
رقنِ عکسِ تو از آئینه آواز دهد
من سر از پا نشانم برو سعی ، و سپهر
هردم انجامِ مرا جلوه آغاز دهد

—۱۴۴—

کو فنا؟ تا همه آلاشِ پندار برد
از مُصَوِّر جلوه و از آئینه زنگار برد

گفته باشی که «بهر حيله در آتش فگنش»
غير می‌خواست، مرا بی تو بگلزار برد
خونچکانست نسیم از اثرِ ناله من
کیست کز سعیِ نظر پی بدرِ یار برد؟



چاك از جییم بدامان می‌رود
تا چه بر چاك از گریان می‌رود؟
جوهرِ طبعم درخشانست؛ لیک
روزم اندر ابرِ پنهان می‌رود
بگزر از دشمن؛ دلش سختست سخت
آبروی تیر و پیکان می‌رود
کیست؟ تا گوید بدان ایوان‌نشین
آنچه بر غالب ز دربان می‌رود

۱۴۶

نومیدی. ما گردشِ ایام ندارد
روزی که سیه شد، سحر و شام ندارد
بی نقشِ وجودِ تو، سراپای من، از ضعف
چون بسترِ خوابست که اندام ندارد

۱۴۷

چه خیزد از مخفی کز درونِ جان نبود؟
بریده باد زبانی که خونچکان نبود!
نگفته‌ام: دستم از جانبِ خداست؛ ولی
خدا، به عهدِ تو، بر خلقِ مهربان نبود
ز خویش رفته‌ام و فرصتی طمع دارم
که باز گردم و جز دوستِ ارمغان نبود
فروبرد نفسِ سردِ من جهنم را
اگر نشاطِ عطای تو درمیان نبود

بالتفاتِ نگارم، چه جای تهیتست؟
دعا کنید که نوعی ز امتحان نبود!

— ۱۴۸ —

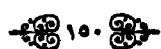
بتانِ شهر ستم پیشه شهریارانند
که در ستم روش آموزِ روزگارانند
برند دل به ادائی که کس گان نبرد
فغان! ز پرده نشینان که پرده دارانند
نه زرع و کشت شناسند، فی حدیقه و باغ
ز بهر باده، هواخواه باد و بارانند
ز وعده گشته پشیمان و بهر دفعِ ملال
امیدوار به مرگِ امیدوارانند

— ۱۴۹ —

دلستانان بچیل اند، ارچه جفا نیز کنند
از وفائی که نکردند، حیا نیز کنند

انتخاب غالب

خسته تا جان ندهد ، وعده دیدار دهند
 عشوه ، خواهند که در کارِ قضا نیز کنند
 اندران روز که پرسش رود از هرچه گزشت
 کاش ! با ما سخن از حسرتِ ما نیز کنند
 از درختانِ خزان دیده نباشم ؛ کاینها
 ناز بر تازگیِ برگ و نوا نیز کنند
 خلقِ غالب نگر و دشنه سعدی که سرود
 «خو برویانِ جفایشه وفا نیز کنند ،



دماغِ اهلِ فنا نشاءِ بلا دارد
 بفرقم ، آره طلوعِ پرِ هما دارد
 کشارِ شستِ ادای تو دلشینِ منست
 اگر خدنگِ تو در دل نشست ، جا دارد
 فغان ! که رحمِ بدآموزِ یار شد ، غالب
 روا نداشت که بر ما ستم روا دارد

— ۱۰۱ —

نقاب دار که آئینِ رهنی دارد
جمالِ یوسنی و فترِ بهمنی دارد
یاده گر بُودم میل، شاعرم، نه ققیه
سخن چه تنگ ز آلوده دامنِ دارد ؟

— ۱۰۲ —

ز رشکست این که در عشق آرزوی مردنم باشا
تو جانِ عالمی ؛ حیفست گر جان در تنم باشا
تر داری دین و ایمانی ؛ بترس از دیو و نیرنگش
چو نبود توشه راهی ، چه باک از رهنم باشد :

— ۱۰۳ —

حورِ بهشتی ز یاد ، آن بتِ کشمیر برد
بیمِ صراط از نهاد ، آن دمِ شمشیر برد
شبروی غمزه ، صبر و دل و دین ربود
جان ، که ازو باز ماند ، شصتِ تقدیر برد

تا چند بلبوس می ، و عاشق ستم کشد ؟
 کو قنه ؟ تا بدآوری هم علم کشد
 دل را ، بکارِ ناز چه سرگرم کرده ؟
 یعنی بخویش هم کند و از تو هم کشد
 صبا حلال ، زاهدِ شب زنده دار را
 اما بشرطِ آن که همان صبحدم کشد

گفتند حور و کوثر و دادند ذوقِ کار
 منعست نامِ شاهد و می آشکار بُرد
 نعلِ مرا بسوز ؛ کم از برهنِ نیم
 تنگِ نسوختن توان در مزار برد
 پیشم ازان پیرس که پرسی و اهلِ کوی
 گویند : « خسته زحمتِ خود زین دیار برد »

— ۱۰۶ —

بچشم مدعی ، همچون چراغِ روز ، بی نورم
چراغم گر ، بفرض ، از پرتوِ خورشید درگیرد
گم دروی ؛ ز رشکست اینکه غمخواری نمی خواهم
که ترسم یابد او را هر که از عالم خبر گیرد
سرت کردم ! اگر پای نزاکت در میان نبود
تنم ، از لاغری ، صد خرده بر موی کمر گیرد

— ۱۰۷ —

تکست دلم ؛ حوصله راز ندارد
آه ! از نه قیرِ تو که آواز ندارد
هر دلشده ، از دوست در اندازِ سپاسیست
مانا که نگاهِ غلط انداز ندارد

— ۱۰۸ —

لبم ، از زمزمه یادر تو ، خاموش مباد !
غیرِ تمثالِ تو - - - - - رش مباد !

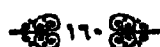




رهرو بادیه شوق سبک سیرا تند
بارِ سر نیز ، درین مرحله ، بر دوش مباد !



هر ذره را ، فلك بزمین بوس میرسد
گر خاک راست دعوی ناموس ، میرسد
زینسان که خو گرفته عاشق کشیست حسن
مر شمع را شکایتِ فانوس میرسد
خود پیشِ خود کفیلِ گرفتاری. منست
هر دم ، پسرش دلِ مایوس میرسد
بیرون میا ز خانه ، به هنگامِ نیمروز
رَشکِ آیدم که سایه یابوس میرسد



ازان سرمایه خوبی ، بوصلم کامِ دل مُجستن
بدان ماند که موری خرمی را در کین باشد

نسوزد بر خودم دل، گر بسوزد برق خرمن را
 که دانم آنچه از من رفت، حق خوشه چین باشد
 به پیر خانقه، در روضه یکجا خوش توان بودن
 بشرط آن که از ما باده وز شیخ انگبین باشد
 چه رفت از زهره با هاروت؟ خاکم در دهن بادا!
 تو مریم باشی و کار تو با روح الامین باشد
 ازان گردی که در راهش نشیند بر رخ، غالب
 چه خیزد؟ چون هم از من رخ، هم از من آستین باشد

— ۱۶۱ —

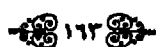
از رشك کرد، آنچه بمن روزگار کرد
 در خستگی نشاط مرا دید، خوار کرد
 بد کرد چون سپهر بمن، گرچه من بدم،
 باید بدین حساب ز نیکان شمار کرد
 لنگر گسست صرصر و کشتی شکست موج
 دانا خورد دریغ که نادان چه کار کرد

انتخاب غالب

عمری به تیرگی بسر آورده ام که مرگ
شادم بروشنائی شمع مزار کرد
نومیدی از تو کفر و تو راضی نه بکفر
نومیدیم، دگر، بتو امیدوار کرد



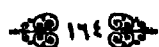
بدوقی سر، ز مستی، در قفای رهروان دارد
که، پنداری، کند یار همچون مار جان دارد
«خدارا! وقت پرشش نیست»، گفتم: «بگزار از غالب
که هم جان بر لب و هم داستانها بر زبان دارد،



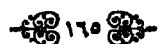
صاحب دلست و نامور، عشقم بسامان خوش نکرد
آشوب پیدا تنگ او، اندوه پنهان خوش نکرد
آن خود یازی می برد، وین را دو جو می نشمرد
بنمودمش دین، خنده زد؛ آوردمش جان، خوش نکرد



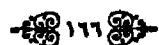
با من میاویز، ای پدر! فرزندِ آزر را نگر
هر کس که شد صاحب نظر، دین بزرگان خوش نکرد



قدرِ مشتاقان چه داند، دردِ ما چندش بود؟
آنکه دایم کار با دلهای خورسندش بود
شاهدِ ما همنشین آرای و رنگین محفلست
لاجرم، در بندِ خویشست آنکه در بندش بود
غالباً زنهار! بعد از ما، بخونِ ما مگیر
قاتلِ ما را که حاکم آرزومندش بود



چرخ، هر روزم، غمِ فردا بخوردن می دهد
تا قیامت فارغ از فکرِ معاشم کرده اند



کسی با من چه، در صورت پرستی، حرفِ دین گوید؟
ز آزر گفت، دانم، گر ز صورت آفرین گوید

شناسد جای غم دل را و خود را دلپا داند
عجب دارد، اگر دلدادۀ خود را غمین گوید
رم افتاده، بهر دانه، سوی دام صیادی
که حرفِ ذبح با همراهِ خویش اندر کمین گوید
گزارد آنچه برق از خرمن، اندر دشت بگرام
که ترسم، چون بچینم، کس بطنزم خوشه چین گوید

من بویا مردم و رقیب بدرزد
نیمه لبش انگبین و نیمه تبرزد
کیست درین خانه؟ کز خطوطِ شعاعی
مهر، نفس ریزه ها، به روزنِ در، زد
دعوی او را بود دلیل بدیهی
خنده دندان نما، به حسنِ گهر، زد
کام نه بخشیده، گنه چه شماری؟
غالبِ مسکین بالتفات نیرزد

— ۱۶۸ —

بدین قدر که لبی تر کنی و من بمکم
ترا ز باده نوشین چه مایه کم گردد؟
رسیده ایم بکوی تو؛ جای آن دارد
که عمر صرفِ زمین بوسی، قدم گردد

— ۱۶۹ —

یدل نشد، ار دل به بتِ غالیه مو داد
گوئی، مگر آن دل که ز من برد، باو داد
سخنست دلِ غیر و گر از تنگِ نگوئی
برگشتنِ مژگانِ تو گوید که چه روداد
زین ساده دلی داد! که چون دید بخوابم
ترسید خود و مژده مرگم بعدو داد

— ۱۷۰ —

نهم جبین بدرش، آستان بگرداند
نشینش بسِ ره، عنان بگرداند

یِزَمِ باده ، به ساقیگری ، ازو چه عجب
که پیرِ صومعه را در میان بگرداند ؟



چو زه ، بقصدِ نشان ، بر کان یجنابند
تپد ز رشكِ دلم ، تا نشان یجنابند
دعا کدام و چه دشنام ؟ تشنه سخیم
بکامِ ماست زبان ، چون زبان یجنابند
هنوز یسخبری زانکه جبهه بر درِ تو
نسوده ایم چنان کاستان یجنابند



تیغت ، ز فرق تا بگلویم ، رسیده باد !
شوخی ز حد گزشت ؛ زبانم بریده باد !
گر رفته ام ز کوی تو ، آسان رفته ام
این قصه از زبانِ عزیزان شنیده باد !



۱۷۳

از تیرگی طرۃ شبرنگ ، نظرها
پرواز، دران صبح بناگوش ، نکردند
گر داغ نهادند و گر درد فزودند
نازم، که به هنگامه فراموش نکردند
گر خود بغلامی نه پزیرند، گدا باش
بر در بزن آن حلقه که درگوش نکردند

۱۷۴

تاجر شوق، بدان ره، بتجارت نرود
که ره انجامد و سرمایه بغارت نرود
تو، يك قطره خون، ترك وضوگیری و ما
سیل خون، از مزه رانیم و طهارت نرود
غالب خسته، بکوی تو، رهین تپشست
که به شاهی نه نشیند، به وزارت نرود



== ر ==

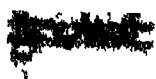
بتی دارم ، ز شنگی ، روزگاران خو ، بهاران بر
 به مستی ، خویش را گردآر و گوی از هوشیاران بر
 ندارد شیر و خرما ذوقِ صبا ؛ رحم می آید !
 نشاطِ عید ، از ما هدیه سوی روزه داران ، بر

❦ ۱۷۶ ❦

چه جنون تازِ هوای گل و غارست ، بهار
 کاین چنین قطره زن از ابرِ بهارست ، بهار
 شوخیِ خوی ترا قاعده دانست ، خزان
 خوبیِ روی ترا آئینه دارست ، بهار

❦ ۱۷۷ ❦

یا و جوشِ تمنای دیدنم بنگر
 چو اشك ، از سرِ مژگان چکیدنم بنگر
 ز من ، یحرمِ تپیدن ، کناره می کردی
 یا بخاكِ من و آرمیدنم بنگر



شنیده‌ام که نه‌بینی ، و ناامید نیم
 ندیدنِ تو شنیدم ، شنیدم بنگر
 دمد دانه و بالید و آشیان‌گه شد
 در انتظارِ هما ، دام‌چیدنم بنگر
 تواضعی نکنم بی تواضعی ، غالب
 بسایهٔ خم تیغش خمیدم بنگر



بمرگِ من ! که پس از من ، زمرگِ من یاد آرا
 بکوی خویشتن ، آن نعشِ بی کفن یاد آرا
 من آن نیم که ز مرگم جهان بهم نخورد ؛
 قنارِ زاهد و فریادِ برهن یاد آرا
 پیام و در ، ز هجومِ جوان و پیر بکوی
 بکوی و برزن ، از اندوهِ مرد وزن یاد آرا
 خروش و زاریِ من ، در سیاهیِ شبِ زلف
 دمِ قُسادنِ دل در چهِ ذقن ، یاد آرا

هزار خسته و رنجور در جهان داری
یکی، ز غالبِ رنجورِ خسته تن یاد آرا



بی دوست، ز بس، خاک فشاندیم بسر بر
صد چشمه روانست، بدان راهگزر بر
غلتانی اشکم بود، از حسرت دیدار:
آیست نگام که به پیچد به گهر بر
امید که خالِ رخِ شیرین شود، آخر
چشمی که سیه ساخته خسرو به شکر بر
بالد بخود آن مایه که در باغ نه گنجد
سروی که کشندش، به تمنای تو، در بر
مطرب به غزل خوانی و غالب به سماعست
ساقی، می و آلاتِ می از حلقه بدر بر

ای دل ! از گلبنِ امید نشانی بمن آر
 نیست گر تازه گلی ، برگِ خزانی بمن آر
 تا ، دگر ، زخمِ بناسور تونگر گردد
 هدیه از کفِ آلماسِ فشانی بمن آر
 همدمِ روزِ گدائی ! سبک از جا برخیز
 جان گرو ، جامه گرو ، رطلِ گرانی بمن آر
 یا رب ! این مایه وجود از عدم آورده تست
 بوسه چند هم ، از کنجِ دهانی ، بمن آر

بر دل ، نفسِ غم ! سرآور
 چون ناله ، مرا ز من برآور
 یا پایه آرزو ییفرای
 یا خواهر ما ز در درآور



غالب

عمری ، ز هلاك تلخ تر ، رفت
مرگی ، ز حیات خوشتر ، آورا

۱۸۲

ای ذوقِ نواسنجی ! بازم بخروش آورا
غوغای شیدخونی ، بر بُنگِ هوش آورا
گر خود نجهد از سر ، از دیده فروبارم ؛
دل خون کن و آن خون را در سینه بجوش آورا
گاهی ، بسبکدستی ، از باده ز خویشم برا
گاهی ، به سیه مستی ، از نغمه بهوش آورا
غالب ، که بقایش باد ! همپای تو گر ناید ،
باری ، غزلی فردی زان موینه پوش آور

۱۸۳

در گریه ، از بس نازکی ، رخ مانده بر خاکش نگر
ان سینه سودن ، از تپش ، بر خاکِ نمناکش نگر

تستاب غالب

برق که جانها سوختی ، دل از جفا سردش بین
شوخی که خونها ریختی ، دست از حنا پاکش نگر
آن کو بخلوت ، با خدا هرگز نکردی التجا
نالان به پیش هر کسی ، از جورِ افلاکش نگر
بر آستانِ دیگری ، در شکرِ دربانش بین
در کوی از خود کمتری ، در رشکِ خاشاکش نگر
خواند به امیدِ اثر ، اشعارِ غالب هر سحر
از نکته چینی درگزر ، فرهنگ و ادراکش نگر

== ز ==

یا رب ! ز جنون طرح غمی در نظم ریز!
صد بادیه ، در قالبِ دیوار و درم ، ریز!
از مهرِ جهاتساب ، امیدِ نظم نیست
این تشتِ پراز آتشِ سوزان بسم ریز!
هر خون که عبث گرم شود ، در دلم افکن
هر برق که یصرفه جهد ، بر اثرم ریز!

گیرم که به افشاندنِ آلماسِ فیرزم
مشتی نمکِ سوده، بزخمِ جگرم ریزا

—۱۸۵—

ای شوق! بما عربده بسیار میاموز
ابرام بدرویزه دیدار میاموز
صورتکده شد کلبه من سرسِر، ای چشم!
انگیختنِ نقش ز دیوار میاموز

—۱۸۶—

خون، قطره قطره، می چکد از چشمِ تر، هنوز
نگسسته ایم بخیه زخمِ جگر، هنوز
تا خود پس از رسیدنِ قاصد چه رودهد؟
خوش می کنم دلی بامیدِ خبر، هنوز

—۱۸۷—

یقینِ عشق کن و از سرِ گمانِ برخیز
به آشتی به نشین یا به امتحانِ برخیز



تو دودی، ای گله! کام و زبان نه درخور تست
 بدل فروشو و از مغز استخوان برخیز
 رقیب یافته تقریب رخ پیاسودن
 ترا که گفت که «از بزم سرگران برخیز»؟
 سبوحه دهمت هر سحر ز می، غالب
 خدای را از سر کوچه مغان برخیز



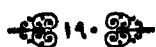
با همه گم گشتگی، خالی بود جایم، هنوز
 گاه گاهی، در خیال خویش می آیم، هنوز

== س ==

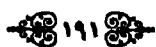
داغ تلخ گویانم، لذتِ سم از من پرس
 محور تندخویانم، حیرتِ رم از من پرس
 نیست با غنودنها، برگِ پر کشودنها
 از عدم برون آمد، سعیِ آدم از من پرس



تیغ غمزه با اغیار آنچه کرد، میدانی
خنجرِ تغافل را تیزیء دم از من پرس
خلد را نهادم من؛ لطفِ گوثر از من جوی
کعبه را سوادم من؛ شورِ زمزم از من پرس



کاشانه نشین عشوه گری را چه کند کس؟
بی فتنه سر ره گزری را چه کند کس؟
گر سرخوشی از باده مرادست، یاشام!
واعظ، تو و یزدان! خبری را چه کند کس؟
نایافته بارم، به نراندن چه شکیم!
گیرم که خود از تست، دری را چه کند کس؟



بی پرده، تابِ محرمه رازِ ما مجوی
خون گشتنِ دل، از مژه و آستین شناس

بی غم نهادِ مرد گرامی نمی شود
 زنهرا قدرِ خاطرِ اندوهگین شناس

— ❦ ۱۹۲ ❦ —

تیغ از نیام، بیده، بیرون نکرده کس
 ما را بهیج کشته و بمنون نکرده کس
 یا رب! براهدان چه دهی خلد رایگان؟
 جورِ بتان ندیده و دل خون نکرده کس

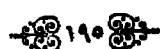
— ❦ ۱۹۳ ❦ —

رحمی از معشوق هرجا در کتابی بنگری
 برکنارِ آن ورق «جانها فدایش» می نویس

== ش ==

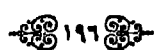
دوشم، آهنگِ عشا بود که آمد در گوش
 ناله از تارِ ردائی که مرا بود بدوش
 کایِ خسِ شعله آوازِ موزن! زنهرا!
 از پی گرمی هنگامه، منه دل بخروش

حاصل آنست ازین جمله نبودن که مباش
 ما نه افسانه سرائیم و تو افسانه نیوش !
 گفتم : « از رنگ به بیرنگی اگر آرم روی
 ره دگر چون سپرم ؟ » گفت : « ز خود دیده پیوش ،
 جستم از جای ، ولی هوش و خرد پیشاپیش
 رقم از خویش ، ولی علم و عمل دوشادوش
 تا به بزی که یک وقت ، در اینجا دیدم
 باده پیمودنِ امروز و بخون خفتنِ دوش
 همچو خرشید ، کزو ذره درخشان گردد
 خورده ساقی می و گردیده جهانی مدهوش
 همه محسوس بود ایزد ، و عالم معقول
 غالب ، این زمزمه آواز نخواهد ، خاموش !



نیست معبودش حریفِ تابِ ناز آوردنش
 پیشِ آتش دیده ام ، روزی ، نیاز آوردنش

تا خود از بهرِ تارِ کیست ؟ می میرم ز رشك ،
 خضر و چندین کوشش و عمرِ دراز آوردنش
 رحمتِ حق باد بر همدم ! که داند ، مست مست
 بر سرِ نعشم ، به تقریبِ نماز آوردنش

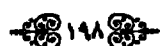


بعضِ شهرتِ خویش ، احتیاجِ ما دارد
 چو شعله که نیاز افقند به خار و خشخاش
 ز رنگ و بوی گل و غنچه ، در نظر دارم
 غبارِ قافلهٔ عمر و نالهٔ جرسش
 خوشم که دوست خود آتمایه ییوفا باشد
 که در گانِ نسکام امیدگاهِ کسش



خوشا حالم ! تن آتش ، بستر آتش
 سپندی کو ؟ که افشانم بر آتش

ز رشكِ سينه گری که دارم
کشد، از شعله، بر خود خنجر، آتش



دودِ سودائی تُتُق بست، آسمان نامیدمش
دیده بر خوابِ پریشان زد، جهان نامیدمش
باد دامن زد بر آتش، نوبهاران خواندمش
داغ گشت آن شعله از مستی، خزان نامیدمش
بود در پهلوی به تمکینی که دل می گفتمش
رفت از شوخی بآئینی که جان نامیدمش
تا نهم بر وی سپاسِ خدمتی از خویشان
بود صاحب خانه، اما میهمان نامیدمش
بر امیدِ شیوه صبر آزمائی زیستم
تو بُردی از من و من امتحان نامیدمش

ز لکنت ، می تپد نبضِ رگِ لعلِ گهر بارش
 شهیدِ انتظارِ جلوهٔ خویشست ، گفتارش
 ادای لا ابالی شیوه مستی در نظر دارم
 سر پرشورم ، از آشفته گی ، ماند بدستارش
 بتی دارم که ، گوئی ، گر بروی سبزه بخرامد
 زمین ، چون طوطی . بسمل ، تپد از ذوقِ رفتارش
 وکالت کرد خوام روزِ محشر کشتگانش را
 نباشد ، تا دران هنگامه ، جز با من سروکارش
 نه از مهرست کز غالب بمردن نیستی راضی
 سرت کردم ! تو میدانی که مردن نیست دشوارش

من و نظارهٔ رونی که وقتِ جلوه ، از تابش
 همی بر خویشتن لرزد ، پس آئینه ، سیاهش

انتخاب غالب

بذوقِ باده ، داغِ آن حریفِ دوزخِ آشام
که هر جا بنگرد آتش ، بگردد در دهنِ آتش
به فیضِ شرع ، بر نفسِ مُزورِ یاقمِ دستی
چو آن دزدی که گیرد شهنه ناکاهانِ بهتابش
ازین رختِ شرابِ آلوده ات تنگ آیدم ، غالب
خدا را ! یا بشو ، یا بفکن اندر راهِ سیلابش

== ص ==

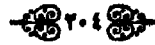
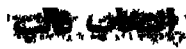
چون عکسِ پلِ بسیل ، بذوقِ بلا برقص
جا را نگاه دار و هم از خود جدا برقص
هم بر نوای چغد ، طریقِ سماع گیر
هم در هوای جنبشِ بالِ هما برقص
غالب ، بدین نشاط که وابسته کِ
بر خویشتنِ یال و به بندِ بلا برقص

== ض ==

دل در غمش بسوز، که جان میدهد عوض
 و در جان دهی، غمی به ازان میدهد عوض
 از هرچه نقشِ وهم و گمانست، درگزر
 کُو خود، برون ز وهم و گمان میدهد عوض
 پاداشِ هر وفا بیجفای دگر کند
 غالب، به بین که دوست چسان میدهد عوض

== ط ==

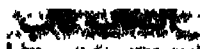
گوئی که دهانِ وفا؛ که وفا بوده است شرط،
 آری، همین ز جانبِ ما بوده است شرط
 تا نگزرم ز کعبه، چه بینم؟ که خود ز دیر
 رقتن بکعبه، رو بقفا بوده است شرط
 غالب، بعالمی که توفی، خونِ دل بنوش
 از بهرِ باده، برگ و نوا بوده است شرط



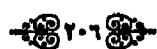
تکیه بر عهدِ زبانِ تو غلط بود ، غلط ؛
 کان خود از طرزِ بیانِ تو غلط بود ، غلط
 آن که گفت ، از من دلخسته به پیشِ تو ، رقیب
 که « غلط بود » ، بجانِ تو ا غلط بود ، غلط
 این مسلم که لبِ هیچِ مگوئی داری
 خاطرِ هیچِ مدانِ تو غلط بود ، غلط
 آخر ، ای بوقلمون جلوه ا بکجائی ؟ کاینجا
 مرجه دادند نشانِ تو ، غلط بود ، غلط



برا که باده ندارم ، ز روزگار چه حظ ؟
 ز ا که هست و نیاشامی ، از بهار چه حظ ؟
 خوشست گوثر و پاکست باده که دروست
 از آن رحیقِ مقدس ، درین خمار چه حظ ؟



بدوقر بی خبر از در درآمدن محوم
 بوعده ام چه نیاز و ز انتظار چه حظ ؟



تا رغبتِ وطن نبود ، از سفر چه حظ ؟
 آنرا که نیست خانه به شهر ، از خبر چه حظ ؟
 تا فتنه در نظر نه نهی ، از نظر چه سود ؟
 تا دشنه بر جگر نخوری ، از جگر چه حظ ؟
 باید نبشت نمکته غالب بآبِ زر :
 « بی آنکه وجه می شود ، از سیم وزر چه حظ ؟ »



جان بناموس دهی چند فرام شده اند ؛
 ورنه خود با تو چه بودست ، رک گردنِ شمع ؟
 روزم ، از تیرگی ، آن وسوسه ریزد بنظر
 که شبِ تار ، به هنگام فرومردنِ شمع

شادم که بر انکارِ من ، شیخ و برهن گشته جم
کز اختلافِ کفر و دین ، خود خاطرِ من گشته جم
ای آنکه بر خاکِ درش تنهای بیجان دیده
بر گوشه بامش ، نگر ، جانهای بی تن گشته جم
صبحست و گوناگون اثر ، غالب ، چه خسپی ییخه
نیکان به مسجد رفته در ، زندان بگلشن گشته جم

== غ ==

بخون تپم بسرِ رهگزر ، دروغ ، دروغ !
نشان دم به رخت صد خطر ، دروغ ، دروغ !
طراوتِ شکنِ جیب و آستینت کو ؟
ز نامه دم مزن ، ای نامه برا دروغ ، دروغ !

هنگام بوسه ، بر لبِ جانان خورم دریغ
در تشنگی ، به چشمه حیوان خورم دریغ

زین دود و زین شراره که در سینه منست
سازم سپهر، گر نه بسامان خورم دریغ

== ف ==

گل و شمع، بزارِ شهدا گشت تلف
نشدی راضی و عمرم بدعا گشت تلف
آمدی دیر به پرسش؛ چه ثارت آرم؟
من و عمری که باندوه وفا گشت تلف!
گیرم، امروز دهی کام دل؛ آن حسن بجا؟
اجرِ ناکامی سی ساله ما گشت تلف

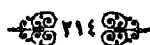


ای کرده غرقم ییخبر! شو زین نشانها يك طرف
رختم بساحل يك طرف، شستم بدريا يك طرف
از عشق و حسنِ ما و تو، با همدگر در گفتگو
خسرو به مجنون يك طرف، شیرین به لیلی يك طرف

ای آئینه پیشِ نظر، مستانه بر خود جلوه‌گرا
رحمی یحانِ خویش کن، غمخواری. ما يك طرف!

ق

براهِ شوق، بر آن آب، خون همی‌گریم
که قطره قطره، جوابم، چکیده از ابرق
ترا به پهلوی میخانه جا دم، غالب
بشرطِ آن که قناعت کنی یویِ رَحیق



به بزمِ باده، گریبان کشودنش نگرید
خوشا بهانه‌مستی! خوشا رعایتِ شوق!
بخود مناز و به آموزگاریم بپذیر
من و نهایتِ عشق و تو و بدایتِ شوق!

ك

مرد آنکه در هجومِ تمنا شود هلاك
از رشكِ تشنه که بدریا شود هلاك

تغلیبِ خالِب

نازم به کشته که چو یابد دوباره عمر
در عذرِ التفاتِ مسیحا شود هلاک !
با خضر گر نمی روم ، از بیمِ ناکسیست
ترسم ، ز تنگِ مهرمی ما شود هلاک



بهر اگر موجزنست ، از خس و خاشاک چه باک ؟
با تو ، ز اندیشه چه اندیشه ، و از باک چه باک ؟
وحشتی نیست ، اگر خانه چراغی دارد
با دل ، از تیرگی زاویه خاک ، چه باک ؟



سبکِ روحم ؛ بَوَد بارِ من اندک
چرا نشماری آزارِ من اندک ؟
ازین پرسش که بسیارست از تو
شد اندوهِ دلِ زارِ من اندک

مدان کز دست بُردِ تست ، گر هست
 متاعِ صبر در بارِ من اندک
 وجودم خوانِ یغما بود غم را
 تو هم بردی ز بسیارِ من اندک

== گ ==

ای ترا و مرا ، درین نیرنگ
 دهن و چشم و دست و دل همه تنگ !
 شکوه و شکر ، هرزه و باطل
 غالب و دوست ، آبگینه و سنگ

== ل ==

نه مرا دولتِ دنیا ، نه مرا اجرِ جمیل
 نه چو نمروذ توانا ، نه شکیا چو خلیل
 با رقیان ، کفِ ساقی ، بمیء ناب کریم
 با غریبان ، لبِ جیحون ، بدی آب بخیل

ای به مسامح قضا، دوخته چشمِ ابلیس
 بدم گرم روان، سوخته بالِ جبریل
 با تو ام، خرمی خاطرِ موسی بر طور
 با خودم، خستگی لشکرِ فرعون به نیل
 بر کمالِ تو، در اندازه، کمالِ تو محیط
 بر وجودِ تو، در اندیشه، وجودِ تو دلیل
 نه کنی چاره، لبِ خشکِ مسلمان را؟
 ای به ترسا بچکان کرده میء ناب سیل

— ۲۲۰ —

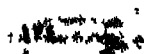
راهیست که در دل فتد، از خون رود از دل
 ناید بزبان شکوه و بیرون رود از دل
 با من سخن از سستیِ اوهام سراید
 کم خرمی، فالِ همایون رود از دل
 شخصش، بخیمال نزند پایچه بالا
 هرچند، ز جوشِ هوسم، خون رود از دل



زان شعر که در شکوة خوی تو سرایم
لفظم بزمان ماند و مضمون رود از دل



گفتم: «ز شادی، نبودم گنجیدن آسان در بغل،
تنم کشید، از سادگی، در وصل جانان در بغل!
نازم خطر ورزیدنش، وان هرزه دل لرزیدنش:
چینی یازی بر جبین، دستی بدستان در بغل!
دانش بمی درباخته، خود را ز من نشناخته
رخ، در کنارم ساخته، از شرم، پنهان در بغل!
گام به پهلو خفته خوش، بستی لب از حرف و سخن
گام یازو مانده سر، سودی ز نخدان در بغل!
هان! غالبِ خلوت نشین، یمی چنان عیشی چنین:
جاسوسِ سلطان در کین، مطلوبِ سلطان در بغل!





ا گل برنگ و بوی که ماند؟ که در چمن
گل در پس گل آمده در جستجوی گل
زانکه که عندلیب لقب داده مرا
افزوده امید من و آبروی گل



تن بر گرانه ضایع ، دل در میانه غافل
چون غرقه که ماند رختش بسوی ساحل
داغم ، بشعله زائی ، اندازِ برقِ خاطف
سعیم ، بنارسائی ، پروازِ مرغِ بسمل
رازِ تو ، در نهفتن ، تبخاله ریخت بر لب
تیرِ تو ، در گزشتن ، پیکان گداخت در دل
با من ، نموده مجنونِ ییعت ، به فر سودا
بر تو ، فشانده لیلیِ زیور ، ز طرفِ محمل

== م ==

رفتم، که کهنگی ز تماشا برافکنم
 در بزم رنگ و بو، نملی دیگر افکنم
 هنگامه را، جحیم جنون بر جگر زخم
 اندیشه را، هوای فسون در سر افکنم
 نخل که هم، بجای رطب، طوطی آورم
 ابرم که هم، بروی زمین، گوهر افکنم
 ضعفم، بکعبه مرتبه قرب خاص داد:
 سجاده گسری تو و من بستر افکنم



بسکه به پیچد به خویش، جاده، ز گراهیم
 ره بدرازی دهد، عشوه کوتاهیم
 دور فتادم ز یار؛ ماهی بی دجله ام
 نیست دلم در کنار؛ دجله بی ماهیم

ایجاب غالب

بنده دیوانه ام ، غلطی و ساهی خوشم :
حکم ترا عظیم ، قهر ترا ساهیم



بو ، که به حشو بشنوی قصه ما و مدعی
تازه ز رویدادِ شهر ، طرح فسانه کرده ایم
باده بوام خورده و زر بقمار باخته
وه ! که ز هرچه ناسزا ست ، هم بسزا نه کرده ایم

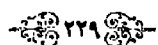


معنی یگانه خویشم ، تکلف برطرف !
چون مه نو ، مصرع تاریخ ایجادِ خودم
گر فراموشی بفریادم رسد ، وقتست ، وقت
رفته ام از خویشان چندانکه در یادِ خودم
می دم دل را ، ز ییادت ، فریب التفات
سادگی بنگر ، که در دام تو صیادِ خودم !

انتخاب غالب



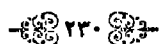
یاد باد آن روزگاری کاعتباری داشتم :
آه آتشناك و چشم اشکباری داشتم
آفتابِ روزِ رستاخیز یادم میدهد
کاندران عالم ، نظر بر تابساری داشتم
تا کدامین جلوه ، زان کافرادا می خواستم ؟
کز هجومِ شوق ، در وصل انتظاری داشتم
خوی تو دانستم ؛ اکنون بهر من زحمت مکش
رام بودم ، تا دلِ امیدواری داشتم
دیگر ، از خویشم خبر نبود ؛ تکلف برطرف !
این قدر دانم که غالب نام یاری داشتم



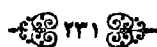
دیدم آن هنگامه ؛ بیجا خوفِ محشر داشتم
خود همان شور است ، کاندز زیست ، در سر داشتم

انتخاب غالب

تا چه سنجم دوزخ و کوثر؟ که من نیز، این چنین
آتشی در سینه و آبی بساغر داشتم
دوش، بر من عرض کردند آنچه در کونین بود
زان همه کالای رنگارنگ، دل برداشتم
کور بودم کز حرم راندند، رقم سوی دیر
از جمالِ بت سخن می رفت، باور داشتم



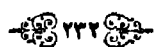
این چه شورا است که، از شوقِ تو، درس دارم؟
دلِ پروانه و تمکینِ سمندر دارم
پرتوِ مهر، سیاهی ز گلیم نه برد
سایه ام، سایه: شب و روز برابر دارم



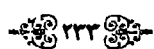
شبهای غم، که چهره به خواب شسته ایم
از دیده، نقشِ وسوسه خواب شسته ایم

انتخاب غالب

پسانه را ز باده ، به خون ، پاك کرده ایم
کاشانه را ز رخت ، به سیلاب ، شسته ایم
غرقِ محیطِ وحدتِِ صرفیم و در نظر
از روی بحر، موجه و گرداب شسته ایم
تردانی ، نصیبِ کس از اهلِ دین مباد !!
مائیم و لوثرِ باده که بی آب شسته ایم !



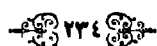
بخت در خوابست ، می خواهم که بیدارش کنم
پاره غوغای محشر کو ؟ که در کارش کنم
با تو عرضِ وعده ات ، حاشا ! که از ابرام نیست
هرچه میگوئی ، می خواهم که تکرارش کنم



دل با حریف ساخته و ما ، ز سادگی
بر مدعای خویش ، گواهی گرفته ایم

انتخاب غالب

از چشمِ ما ، خیالِ تو بیرون نمی رود
گوئی ، بدامِ تارِ نگاهش گرفته ایم



تا فصلی ، از حقیقتِ اشیا ، نوشته ایم
آفاق را مرادفِ عَنقاً نوشته ایم
ایمان بغیب ، تفرقه‌اُرفت از ضمیر
ز اسما گزشته ایم و مُسمی نوشته ایم
در هیچ نسخه ، معنی لفظِ امید نیست
فرهنگِ نامهای تمنا نوشته ایم
آینده و گزشته ، تمنا و حسرتست
يك «کاشکی» بود ، که بصد جا نوشته ایم
غالب ، الف همان علمِ وحدتِ خودست
بر «لا» چه برافزود ، گردِ «الّا» نوشته ایم ؟

انتخاب غالب

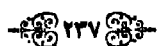


صبحست ، خیز ، تا نفسی در هم افکنم
از ناله ، لرزه در فلكِ اعظم افکنم
آتش فرونشاند نمر دامنم ؛ یا
کاین دلِ نیم سوخته در زمزم افکنم
خوشنودم از تو وز پیء دور باشِ خلق
آوازه جفای تو در عالم افکنم
دوزند گر ، بفرض ، زمین را به آسمان
حاشا ! کزین فشار ، در ابرو خم افکنم



بی پردگی . محشرِ رسوائی . خویشم
در پرده يك خلق ، تماشائی . خویشم
نقشِ بضمیر آمده نقش طرازم
حاشا ! که بود دعوی پیدائی . خویشم

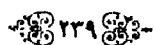
انتخاب غالب



گم گشته بکوی تو، نه دل، بلکه خبر هم
در لرزه ز خوی تو، نه دم، بلکه اثر هم
یا رب! چه بلائی؟ که دمِ عرضِ تمنا
اجزای نفس می خزد، از بیمِ تو، در هم
تا حسن، به بی پردگی، جلوه، صلا زد
دیدیم که تاری ز نقابست نظر هم



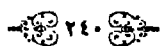
رنگها چون شد فراهم ، مصرفی دیگر نداشت
 خلد را نقش و نگارِ طاقِ نسیان کرده ایم
 زاهد ، از ما خوشه تاکی ، به چشم کم مبین
 هُی ! نمدانی که يك پیمانه نقصان کرده ایم



هم به عالم، ز اهلِ عالم بر کنار افتاده ام
چون امامِ سُبْحَه، بیرون از شمار افتاده ام

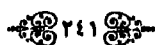
انتخاب غالب

ریزم، از وصفِ رخت، گل را شررد در پیرهن
آتشِ رشکم؛ یحانِ نوبهار افتاده ام
کشتی بی ناخدایم؛ سرگشتِ من مپرس
از شکستِ خویش، بر دریا کنار افتاده ام
از روانیهای طبعم، تشنه خونست دهر
آبم، آب؛ اما، تو گوئی، خوشگوار افتاده ام

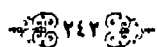


سوخت جگر، تا بجای رنج چکیدن دهیم؟
رنگ شو، ای خونِ گرم! تا پیریدن دهیم
جلوه غلط کرده اند؛ رخ بکشا، تا ز مهر
ذره و پروانه را، مژده دیدن دهیم
دامن، از آلودگی، سخت گران گشته است
وہ! که در آرد ز پا، به! که بچیدن دهیم

انتخاب غالب



بود بدگو ساده ، با خود همزبانش کرده ام
از وفا آزدنت ، خاطر نشانش کرده ام
بر امید آنکه اختر در گزر باشد مگر
هرزه میگویم که « بر خود مهربانش کرده ام ،
گوشه چشمش ، به بزم دلربایان ، با منست
وقت من خوش باد ! کز خود بدگانش کرده ام
در طلب ، دارم تقاضائی که گوئی ، در خیال
بوسه تحویل لبِ شکر فشانش کرده ام



می ربایم بوسه و عرضِ ندامت می کنم
اختراعی چند ، در آدابِ صحبت می کنم



صبح شد ، خیز ، که رودادِ اثر بنمایم :
چهره ، آغشته بخونابِ جگر ، بنمایم

انتخاب غالب

پنبه یکسو نهم از داغ ، که رخشد چون روز
آخری نیست شبنم را که سحر بنمایم
می‌کند ناز، گمان کرده که خط دیر دمد
خیز، تا شعبده جذبِ نظر بنمایم
چون به محشر، اثر سجده ز سیما جویند
داغِ سودای تو، ناچار، ز سر بنمایم

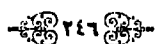


گاه، گاه، از نظرم مست و غزلخوان بگزر؛
ورنه بر عهده من نیست که رسوا باشم
با دلِ چون تو ستم پیشه، داورنشناس
چکنم، گر همه اندیشه فردا باشم؟
همچو آن قطره که بر خاک فشانند ساقی
دورم از گنجِ لب، گر همه صبا باشم

انتخاب غالب



دگر، نگاهِ ترا مستِ ناز می‌خواهم
حسابِ فتنه، ز ایام باز می‌خواهم
گزشتم از گله، در وصل فرصتم بادا !
زبانِ کوتاه و دستِ دراز می‌خواهم
وکیلِ غالبِ خونین دلم؛ سفارش نیست
بشکوه تو، زبان را مجاز می‌خواهم



ز من حذر نه کنی، گر لباسِ دین دارم
نهفته کافرم و بت در آستین دارم
نشسته‌ام، بگدائی، بشاهراه و هنوز
هزار دزد، بهر گوشه، در کمین دارم
ترا نه گفتم اگر جان و عمر، معذورم ؛
که من، وفای تو با خویشان، یقین دارم

انتخاب غالب



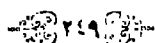
یا ، که قاعده آسمان بگردانیم
قضا ، به گردشِ رطلِ گران ، بگردانیم
ز چشم و دل ، به تماشا ، تمتع اندوزیم
ز جان و تن ، به مدارا ، زیان بگردانیم
اگر ز شهنه بود گیرودار ، نندیشیم
وگر ز شاه رسد ارمغان ، بگردانیم
ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم
بکاروبار ، زنی کاردان بگردانیم
نهم شرم به یکسوی و باهم آویزیم
بشوختی که رخ اختران بگردانیم



رفت بر ما ، آنچه خود ما خواستیم
وایه از سلطان ، بغوغا ، خواستیم

انتخاب غالب

رفت و باز آمد هما ، در دام ما
باز سر دادیم و غنقا خواستیم
هم بخواهِش ، قطعِ خواهِش خواستند
عذرِ خواهشهای یجا خواستیم



اگر بر خود نمی‌بالد ، ز غارت کردنِ هوشم
مراورا ، از چه دشوارست ، گنجیدن در آغوشم؟
نیرزم هیچ : چون لفظِ مکرر ضایع ، ضایع
مگر کز لك كشد دستِ نوازش بر سر و دوشم
مرنج از وعدهٔ وصلی ، كه با من در میان آری
كه خواهد شد ، بذوقِ وعدهٔ دیگر ، فراموشم
ادای می‌بساغرکردنت نازم ! زهی ساقی !
یفشان جرعه بر خاك و ز من بگذر كه مدهوشم

انتخاب غالب



وحشتی در سفر، از برگِ سفر، داشته‌ایم
توشهٔ راه، دلی بود که برداشته‌ایم
تو دماغ، از میءِ پرزور، رسانیده و ما
بر درِ خمکده، خشتی ته سر داشته‌ایم
وارسیدیم؛ که، غالب، بمیان بود نقاب
کاش! دانیم که از رویِ که برداشته‌ایم



خواهی فراغِ خویش، ییفزای بر ستم
تا، در عوض، همان قدر از شکوه کم
طفلس و تندخوی: به بینم، چه می‌کند؟
رام؛ ولی بعربده، دانسته رم کم
تا دخلِ من بعشق فزون تر بود ز خرج
خواهم که از تو بیش کشم ناز و کم کم

انتخاب غالب



نه از مهرست ، گر بر داستانم می نهد گوشی
همان از نکته چینی ، خیزدش ذوقِ شنیدن هم
چه پرسی ، کز لب و قندِ نوشی ، چه می خواهم ؟
همین بوسیدنی : چون مست تر گردی ، مکیدن هم !
سرت گردم ! شکار تازه گر هر دم هوس داری
بهر بندم ، رها میکن بقدرِ يك رمیدن هم

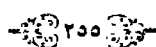


آنم که لبِ زمزمه فرسای ندارم
در حلقه سوهان نفسان ، جای ندارم
خود رشته زند موجِ گهر ؛ گرچه من اکنون
جز ریشه ، بدستِ گهر آمای ندارم
نازِ تو فراوان بود و صبرِ من اندک
تو دست و دلی داری و من پای ندارم

انتخاب غالب



پرسد سببِ یخودی از مهر و من ، از یم
در عذر ، بخون غلتم و گفتار ندانم
زخمِ جگرم ؛ بخیه و مرهم نه پسندم
موجِ گهرم ؛ جنبش و رفتار ندانم
غالب ، نبود کوتاهی از دوست ، همانا
زانسان دهم کام که بسیار ندانم



نامه برگم شد ، در آتش نامه را باز افکنم
چون کبوتر نیست ، طاووسی بی پرواز افکنم
تركِ صحبت کردم و در بندِ تکمیلِ خودم
نغمه ام جان گشت ، خواهم در تن ساز افکنم

== ن ==

ای ز سازِ زنجیرم ، در جنون نواگر کن !
بند ، گر بدین ذوقست ، پاره گران تر کن

انتخاب غالب

فیضِ عیشِ نوروژی جاودانه خوش باشد
روزِ من ، ز تاریکی ، با شبنم برابر کن
«کن» ، پیاری گفتم ، سازِ مدعا کردم
هم بخویش ، در تازی ، گفته را مکرر کن
از درون ، روانم را در سپاسِ خویش آور
وز برون ، زبانم را شکوه سنجِ اختر کن
بخششِ خداوندی ، گر فراخورِ ظرفست
هم بهوش یشی ده ، هم به می تونگر کن

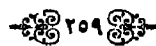


ها ! پری شیوه غزالان و ز مردم رمِ شان
دلِ مردم بخم طره خم در خمِ شان
کافرانند جهان جوی ، که هرگز نبود
طره حور دلاویزتر از پرچمِ شان
رشک بر تشنه تهاروِ وادی دارم
نه بر آسوده دلانِ حرم و زمزمِ شان

انتخاب غالب



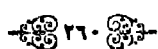
گر قم، کی بشرعِ ناز، زارم میتوان کشتن ؟
به فتوی دلِ امیدوارم میتوان کشتن
بجرمِ این که در مستی، پایان برده ام عمری
بکوی می فروشان، در خمارم میتوان کشتن
جفا بر چون منی کم کن؛ که گر کشتن هوس باشد
بذوقِ مزده بوس و کنارم میتوان کشتن
بخونِ من، اگر، ننگست دست و خنجر آلودن
نویدِ وعده؛ کز انتظارم میتوان کشتن



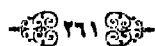
زهی ! باغ و بهارِ جان فشانان
غمت، چشم و چراغِ راز دانان
بصورت، اوستادِ دلفریبان
بمعنی، قبله نامهربانان

انتخاب غالب

وصالت ، جان تواناسازِ پیران
خیالت ، خاطر آشوبِ جوانان
ز ناحق کشتگان راضی ، بیجانت
که غالب هم یکی باشد از آنان



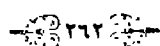
طاق شد طاقت ، ز عشقت بر کران خواهم شدن
مهربان شو ؛ ورنه بر خود مهربان خواهم شدن
خار و خس هر که در آتش سوخت ، آتش می شود
مُردم از ذوقِ لبّت ، چندان که جان خواهم شدن
بسکه فکرِ معنی نازکِ همی کاهد مرا
شاهدِ اندیشه را موی میانِ خواهم شدن



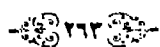
دل ، زان مژه تیز ، یک بار کشیدن
دامن ، بدرشتی بود از خار کشیدن

انتخاب غالب

دارم سرِ این رشته بدانسان که ز دیرم
تا کعبه ، توان برد بزَنار کشیدن
حق گویم و نادان بزبانم دهد آزار
یارب ! چه شد آن فتوی بردار کشیدن ؟
من کافرِ زنهاریء شام ؛ بمن ارزد
می ، در رمضان ، بر سرِ بازار کشیدن



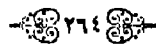
واعظ ، سخن از توبه مگو ، اینکه پس از می
دست و دهنی آب کشیدیم ، بسست این
لب بر لبِ دلبرِ نهم و جان بسپارم
ترکیبِ یکی کردنِ صد ملتَمَسست ، این



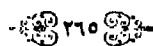
بسکه لبریزست ، ز اندوهِ تو ، سرتاپای من
ناله می روید ، چو خارِ ماهی ، از اعضای من

انتخاب غالب

دانش در انتظارِ غیر و نالم زار، زار
وای من! اگر رفته باشد خوابش، از غوغای من
خاطرِ منت‌پزیر و خوی نازک داده
گر به بخشی، شرمسارم، و نه بخشی، وای من!



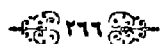
خوش بود، فارغ ز بندِ کفر و ایمان زیستن
حیف! کافر مردن و آوخ! مسلمان زیستن
شیوهٔ زندانِ بی پروا خرام از من مپرس
اینقدر دانم که دشوارست آسان زیستن



چیست، به لب‌خنده، از عتاب، شکستن؟
رونقِ پروین، ز آفتاب، شکستن
شانه بران طرهٔ سیاه کشیدن
قیمتِ کالای مشکناپ شکستن

انتخاب غالب

جوششِ سرمستیم، ز برق پسندد
نیشتر اندر رگِ سحاب شکستن
طره میارا بر غمِ خواهشِ غالب
چيست دلش را، ز پیچ و تاب، شکستن؟



خیره کند مرد را مهرِ درم داشتن
حیف! ز همچو خودی، چشمِ کرم داشتن
وای! ز دل‌مردگی، خوی بد انگيختن
آه! ز افسردگی، روی دژم داشتن
بهرِ فریب، از ریا، دامِ تواضع پچین؛
دل نرباید همی تیغ، ز خم داشتن
اشك چنان بی‌اثر، ناله چنین نارسا!
دیده و دل را سزد ماتم هم داشتن

انتخاب غالب

- ۲۱۷ -

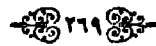
چه غم؟ ار به جد گرفتی، ز من احتراز کردن
توان گرفت از من، بگزشته ناز کردن
نکبت بموشگافی، ز فریبِ رم نخوردن
نفسم بدام بافی، ز سخنِ دراز کردن
ز غم تو باد شرم! که چه مایه شوخ چشمیست
ز شکستِ رنگ، بر رخِ درِ خلد باز کردن؟
بفشارِ رشکِ بزم، نه چنان گداخت گلشن
که میانه گل و مل رسد امتیاز کردن

- ۲۱۸ -

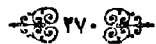
چون شمع، رود شب همه شب دود، ز سرمان
زینگونه، کرا روز بسر رفت، مگر مان؟
آدر به پرستیم و رخ از شعله تساییم
ای خواننده بسوی خود ازین راهگزر مان!

انتخاب غالب

غالب ، چه زبان ؟ ناله اگر گرمروی کرد
سوزی بدل اندر نه و داغی بجگر مان



خجل ، ز راستی خویش ، میتوان کردن
ستم بجان کج اندیش میتوان کردن
اگر بقدر وفا میکنی جفا ، حیفست !
برگ من ! که ازین بیش میتوان کردن



حیفست ، قتلکه ز گلستان شناختن !
شاخ از خدنگ و غنچه ز پیکان شناختن
لخت دلم بدامن و چاک غم بچیب
اینک ، سزای جیب ز دامان شناختن !



بخونم دست و تیغ آلود جانان
بدآموزان ، وکیل بی زبانان

انتخاب غالب

چگویم در سپاسِ بی‌کسیها ؟
زهی ! نا مهربانان مهربانان
فغانا ! میکساران دجله‌نوشان
دریغا ! ساقیان اندازه‌دانان
گلی بر گوشهٔ دستار داری
خوشا ! بختِ بلندِ باغبانان !!
گزشت از دل ، ولی نگرشت از دل
خدنگِ غمزه زورین کمانان



تا ز دیوانم ، که سرمستِ سخن خواهد شدن ؟
این می ، از قحطِ خریداری ، کهن خواهد شدن
کوکیم را ، در عدم ، اوجِ قبولی بوده است
شهرتِ شعرم ، به گیتی ، بعدِ من خواهد شدن

انتخاب غالب



سرشك افشانی چشمِ ترش بین
شه خوبان و گنجِ گوهرش بین
ادای دلستانی رفته از یاد
هوای جانفشانی در سرش بین
بدشت آورده رو سیلست ، گوئی
روارو در گدایانِ درش بین
صفای تن فزون تر کرده رسوا
دل ، از اندیشه ، لرزان در برش بین
مه نو کرده ، کاهش ، پیکرش را
بچشمِ کم ، همان مه پیکرش بین
خداوندش بخونِ ما مگیراد
به یتایی ، نگه بر خنجرش بین

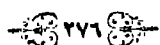


حق که حقست ، سمیعت ، فلانی ! بشنو
 بشنو ، گر تو خداوندِ جهانی ، بشنو
 « لن ترانی » بچوابِ « آری » چند و چرا؟
 من نه اینم ، بشناس و تو نه آتی ، بشنو
 سوی خود خوان و بخلوتکِ خاصم جا ده
 آنچه دانی ، بشمار ؛ آنچه ندانی ، بشنو
 پرده چند ، باهنگِ نکِیسا ، بسرای
 غزلی چند ، بهنجارِ قفائی ، بشنو
 زینکه دیدی بحجیم ، طلبِ رحم خطاست
 سخنی چند ز غمهای نهانی بشنو
 نامه در نیمه ره بود که غالب جان داد
 ورق از هم در و این مژده زبانی بشنو

انتخاب غالب



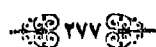
نمِ اشکی ، چو بخاکم بفشانی ، از مهر
خاکِ باله بخود و مهرگیا خیزد ازو
نجد زیرِ سرانگشتِ تو نبضم ؛ که مرا
نیست دردی که تمنای دوا خیزد ازو



گوئی بمن : « کسی که ز دشمن رسیده ، کو؟ »
آن پیر زالِ سست پیء ، قدخمیده ، کو؟
یادت نکرده خصم ، بعنوان ، بلفظِ دوست
آن نامه نخوانده ، ز صد جا دریده ، کو؟
گوئی : « بشحنه گوی که کس را نکشته ایم ،
آن نعرِ نیم سوخته ، ز آتش کشیده ، کو؟ »
گوئی : « خمش شوی ، چو ز کویم بدرروی ،
آن دل که جز بناله بهیچ آرمیده ، کو؟ »

انتخاب غالب

گوئی: دمی ز گریه خونین بما برآر،
آن مایه خون که سر دهم از دل بدیده، کو؟



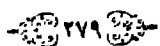
بالم بخویش بسکه، به بندر کنند تو
مردم گمان کنند که تنگم به بندر تو
در رهگذر، به پرسش ما گر کشی، چه باک؟
آخر، شراب نیست عنان سمندر تو



گستاخ گشته ایم، غرور جمال کو؟
پیچیده ایم سر ز وفا، گوشمال کو؟
تا کی فریب حلم؟ خدا را! خدا نه
آن خوی خشمگین و ادای ملال کو؟
داغم ز رشک شوکت صنعان؛ ولی چه سود؟
آن دستگاه طاعت هفتاد سال کو؟

انتخاب غالب

در باده طهور، غم محتسب بجا؟
در عیشِ خلد، لذتِ بیمِ زوال کو؟



دولت بغلط نبود، از سعی پشیمان شو
کافر توانی شد، ناچار مسلمان شو
از هرزه روان گشتن، قلمزمتوان گشتن
جوئی، بخیابان رو: سیلی، به ییابان شو
آوازه معنی را بر سازِ دبستان زن
هنگامه صورت را بازیچه طفلان شو
گر چرخِ فلک گردی، سر بر خطِ فرمان نه
ورگوی زمین باشی، وقفِ خمِ چوگان شو
در بندِ شکیبائی، مردم ز جگر خائی
ای حوصله! تنگی کن، ای غصه! فراوان شو
سرمایه کرامت کن، وانگاه بغارت بر
بر خرمنِ ما برقی، بر مزرعه باران شو

انتخاب غالب

جان داد بغم غالب ؛ خوشنودی. روحش را
در بزمِ عزای می کش ، در نوحه غزلخوان شو



میرود ، خنده بسامانِ بهاران زده
خونِ گل ریخته و می بگلستان زده
شورِ سودای تو نازم ! که بگل می بخشد
چاکی از پرده دل ، سر بگریان زده
خوشنوا بلبلِ پروانه نژادی دارم
شعله در خویش ، ز گلبانگِ پریشان ، زده
خاک در چشمِ هوس ریز ؛ چه جوتی از دهر :
بارگاهی بفرازِ سرِ کیوان زده



بتی دارم ، از اهلِ دل رم گرفته
بشوخی ، دل از خویشان هم گرفته

انتخاب غالب

ز سفاك گفتن ، چو گل ، برشِ كفته
درین شیوه ، خود را مسلم گرفته
به یداد ، صد كشته برهم نهاده
بیازبچه ، صد گونه ماتم گرفته
برویش ، ز گرمی ، نكه تاب خورده
بكویش ، برقن ، صبا دم گرفته



گاهی بچشمِ دشمن و گاهی در آئنه
پرکارِ عیب جوئی خویشم ، هر آئنه
حیرت ، نصیبِ دیده ز یتائی دلست
سیاب را حقیست ، همانا ، بر آئنه
دُورِ رُبوده ناز ؛ بخود هم نمی رسی
تا چند در هوای تو ریزد پر ، آئنه

انتخاب غالب

—۲۸۳—

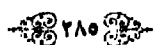
شاهان به بزمِ جشن ، چو شاهان ، شراب خواه
زر یی حساب بخش و قدح یی حساب خواه
بزمِ بهشت و باده حلالست در بهشت
گر باز پرس رودهد ، از من جواب خواه
هرچند ، خواستن نه سزاوارِ شانِ تست
قوّت ز طالع و نظر از آفتاب خواه

—۲۸۴—

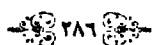
دارم دلی ، ز غصه گرانبار بوده
بر خویشان ، ز آبله ، چیزی فزوده
از بهر خویش ننگم و دارم ز بخت ، چشم
خود را در آب و آئنه رخ نانموده
گننام و زهد کیشم و خواهم بمن رسد
در رختِ خوابِ شاه ، بمستی غنوده

انتخاب غالب

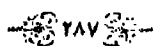
خجلت نگر که در حَسَناتم نیافتند
جز روزه درستِ بهسبا کشوده



چون زبانه‌ها لال و جانها پر ز غوغا کرده
بایدت از خویش پرسید ، آنچه با ما کرده
دجله می جوشد ؛ همانا ، دیده‌ها جویای تست !
شعله می بالد : مگر در سینه‌ها جا کرده !



دانسته که عاشقِ زارم ، گدا نیم
دانم که شاهی ، شه گیتی ستان نه
نازم تلونِ تو ، به بختِ خود و رقیب !
با او چنین بودی و با ما چنان نه



مر ، ز فنا ، فراغ را مژده برگ و ساز ده
سایه به مهر و اگرار ، قطره به بحر باز ده

انتخاب غالب

طره جیب را ، ز چاک ، شانه التفات کش
عارضِ خویش را ، ز اشک ، غازه امتیاز ده
از نهم دیده ، دیده را رونقِ جویبار بخش
وز تفِ ناله ، ناله را چاشنیِ گداز ده
گر بغمی که خورده‌ام ، رخصتِ اشک و آه نیست
هم به دلی که برده ، طاقتِ ضبطِ راز ده



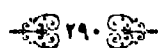
بر دست و پای ، بندِ گرانی نهاده
نازم به بندگی ! که نشانی نهاده
تا در امید ، عمر به پندار بگذرد
از لطف ، در حیات ، نشانی نهاده
تا خسته بلا نبود بی‌گریزگاه
در مرگ ، احتمالِ امانی نهاده
بر هر دلی ، فسونِ نشاطی دمیده
بر هر تنی ، سپاسِ روانی نهاده

انتخاب غالب

غالب ز غصه مرد؛ همانا، خبر نداشت
کندر خرابه، گنجِ نهانی نهاده

== ی ==

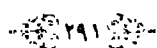
بگوشم می رسد، از دور، آوازِ درِ امشب
دلی کم گشته دارم که در صحراست، پنداری
گرستیم آنقدر کز خون، یابان لاله زاری شد
خزانِ ما، بهارِ دامنِ صحراست، پنداری
نویدِ وعده قتلِ بگوشم می رسد، غالب
لبِ لعلش بکامِ یدلان گویاست، پنداری



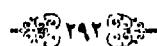
گر نه نواها سرودی، چه غمستی؟
من که نسیم، گر نبود می چه غمستی؟
بختِ خود ار بودی، که تا بقیامت
بیخبر از خود غنودی، چه غمستی؟

انتخاب غالب

حیف ! ز عیسی که دور رفت ، و گرنه
معجزه دم نمودی ، چه غمستی ؟
آه ! ز داود کان نماند ، و گرنه
نالہ به لحن آزمودی ، چه غمستی ؟



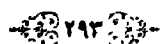
در بستن تمثالِ تو ، حیرت رقستی
ینش . که به پرکارکشائی علمستی
غم را به تنومندی سهراب گر قسم :
خود موج می ، از دشنه رستم چه کمستی ؟
گفتن ز میان رفته و دانم که ندانی
با من که بمرگم ، ز تو پرسش ستمستی



ای به صدمه آهی ، بر دلت ز ما باری !
اینقدر گران نبود ناله ز بیماری

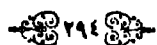
انتخاب غالب

ای فنا ! دری بکشا ؛ بو که در تو بگریزد
هم ز خلق نومیدی ، هم ز خویش یزاری !

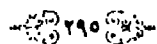


بدین خوبی ، خرد گوید که «کام دل نخواه از وی ،
نکوروی و نکوکار و نکونامست ، آه ! از وی
نگارم ساده و من رند رنگ آمیز رسوایم
چه نقش مدعا بندم ، بدین روی سیاه ، از وی ؟
جنون رشک را لازم ! که چون قاصد روان گردد
دوم یخویش و گیرم نامه ، اندر نیمه راه ، از وی
ز هم دوریم با این مایه نسبت ؛ نامرادی بین !
شب تاریک از ما باشد و روی چو ماه از وی
نگاهش شرمگین باشد ، چو مژگان سرکشست ؛ آری !
فرماند سپه داری که برگردد سپاه از وی
به غالب آشتی کردیم ؛ دیگر داوری نبود
گزاف دایی از ما ، شراب گاه گاه از وی

انتخاب غالب



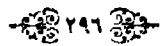
نخواهم از صفِ حوران ، ز صد هزار ، یکی
مرا بست ، ز خوبانِ روزگار ، یکی
سراغِ وحدتِ ذاتش توان ، ز کثرت ، جُست ؛
که سایرست در اعدادِ بی شمار ، یکی
مرو ز آئنه‌خانه که خوش تماشائست :
یکی تو محورِ خودی و چو تو هزار یکی



اندوهِ پرافشانی ، از چهره عیانستی
خون ناشده رنگ ، اکنون ، از دیده روانستی
ذوقِ دلِ خودکامش ، دریاب ز فرجامش
هر حلقهٔ گلدامش ، چشمی نگرانستی
رازِ تو ، شهیدان را در سینه ، نمی‌گنجد
هر سبزه ، درین مشهد ، مانا بزبانستی

انتخاب غالب

ساقی ! بزرافشانی، دانم ز کریمانی
پیمانه گران تر ده، گر باده گرانستی
فیضِ ازلی نبود مخصوص گروهی را
حرفیست که می خوردن آئینِ مغانستی،



تا بم ز دل برد کافر ادائی
بالا بلندی، کوتاه قبائی
در دیرگیری، غافل نوازی
در زود میری، عاشق ستائی
در کام بخشی، ممسک امیری
در دلستانی، مُبرِم گدائی
گستاخ سازی، پوزش پسندی
طاقت گدازی، صبر آزمائی
در عرضِ دعوی، لیلی نکوهی
بر رغمِ غالب، مجنون ستائی

انتخاب غالب

—۲۹۷—

بدل ، ز عریده ، جانی که داشتی ، داری
شمارِ عهدِ وفائی که داشتی ، داری
تو کی ز جورِ پشیمان شدی ؟ چه میگوئی ؟
دروغِ راست نمائی که داشتی ، داری
عتاب و مهرِ تو از هم شناختن نتوان
خردفریبِ ادائی که داشتی ، داری
بکردگارِ نگرویدی و همان بفسوس
حدیثِ روزِ جزائی که داشتی ، داری

—۲۹۸—

اگر بشرع ، سخن در بیانِ بگردانی
ز سوی کعبه ، رخِ کاروانِ بگردانی
به نیم ناز ، که طرحِ جهانِ نو فکری
زمینِ بگستری و آسمانِ بگردانی

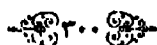
انتخاب غالب

به بیم خوی خودم ، در عدم بخوابانی
بذوق روی خودم ، در جهان بگردانی
به بذله ، خاطرِ اسلامیان ییازاری
بیلوه ، قبله زردشتیان بگردانی

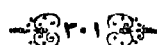


ای موج گل ! نوید تماشای کیستی ؟
انگاره مشال سراپای کیستی ؟
خون گشتم از تو ؛ باغ و بهار که بوده ؟
کشتی مرا بغمزه ؛ مسیحای کیستی ؟
از خاکِ غرقه کفِ خونی دمیده ؟
ای داغ لاله ! نقشِ سویدای کیستی ؟
با هیچ کافر ، این همه سختی نمی رود
ای شب ابرگ من ! که تو فردای کیستی ؟

انتخاب غالب



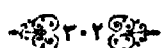
از کنارِ دجله ، آتش خانه چندان دور نیست
کشتی ما بر شکستن زد ، دَرستان یارنی !
شاد باش ! ای غم ، ز بیمِ مرگم ایمن ساختی
گشت صرفِ زندگانی ، بود گر دشواری
با خرد گفتم : «چه باشد مرگ بعد از زندگی ؟»
گفت : «هی ! خوابِ گرانی از پسِ بیداری»



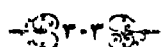
رفت آنکه کسبِ بوی تو از باد کردمی !
گل دیدمی و روی ترا یاد کردمی !
رفت آنکه گر برای تو جان دادمی ، ز ذوق
از موجِ گردِ ره ، نفسِ ایجاد کردمی !
اکنون ، خود از وفای تو ، آزار می کشم
رفت آنکه از جفای تو فریاد کردمی !

انتخاب غالب

غالب ، هوای کعبه بسر جا گرفته است
رفت آنکه عزمِ خَلْج و نَوَشاد کردی !



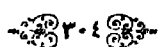
بسکه همواره دلآویزی و شیرین حرکات
سایه طوبی و جوی عسلی را مانی
به توانائی، کوشش ، نتوان یافت ترا
سرخوشیهای قبولِ ازلی را مانی
بدلِ هرکه بچشمِ تو درآید ناگاه
داری آتمایه تصرف که ولی را مانی
ای که در طالعِ ما نقشِ تو هرگز ننشست !
زهره حوتی و شمسِ حملی را مانی



ای که گفتم : « ندهی دادِ دل ، آری ، ندهی
تا چو من ، دل به مغان شیوه نگاری ندهی

انتخاب غالب

ماه و خرشید درین دایره یکار نیند
تو که باشی، که بخود زحمتِ کاری ندهی؟
پای را، خضرِ قدم سنجی. کوئی نشوی
دوش را، قدرِ گران سنگی. باری ندهی
سر، براهِ دمِ شمشیرِ جوانی نه نهی
تن، به بندِ خمِ فتراکِ سواری ندهی
سینه را، خسته اندازِ فغانی نه کنی
دیده را، مالشِ یدادِ غباری ندهی
حیف! اگر تن به سگانِ سرِ کوئی نرسد
وای! اگر جان به سرِ راهگزاری ندهی



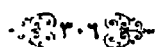
همنشین، جانِ من و جانِ تو این انگیز، هی!
سینه از ذوقِ آزارِ منشِ لبریز، هی!
بر سرِ کوی تو یخود گشتم، از ضعف نیست
کشته رشکم، نیارم دید خود را نیز، هی!

انتخاب غالب

تیشه را نازم ! که بر فرهاد آسان کرد مرگ
خنجر شیرویه و جان دادنِ پرویز، هی !



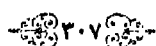
خوشنود شوی ، چون دلِ خوشنود نیابی
ترسم که زیانِ کار کسی ، سود نیابی
از قافلهٔ گرم روانِ تو نباشد
رختی که ، به سیلش ، شراندود نیابی
بر ذوقِ خداداد ، نظر دوختگانیم
در سینهٔ ما ، زخمِ نمکِ سود نیابی
در وجد ، بهنجارِ نفس دست فشانیم
در حلقهٔ ما ، رقصِ دف و عود نیابی



سرچشمهٔ خونست ، ز دل تا بزبان ، های !
دارم سخنی با تو و گفتنِ توان ، های !

انتخاب غالب

سیرم توان کرد، ز دیدارِ نکویان
نظاره بود شبنم و دل ریگِ روان، های !
ذوقیست درین مویه که بر نعشِ منستش
ها ! دلشده، هیچ مگوی، همه دان، های !
از جنت و سرچشمه کوثر چه کشاید ؟
خون گشته دل و دیده خونابه فشان، های !
غالب، بدل آویز : که در کارگرِ شوق
نقشیست درین پرده، بصد پرده نهان، های !

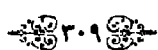


زاهد که و مسجد چه و محراب بکائی ؟
عیدست و دم صبح ؛ می، ناب ! بکائی ؟
بوی گل و شبنم نزد کُلبه ما را
صرصر ! تو بجا رفتی و سیلاب ! بکائی ؟

انتخاب غالب



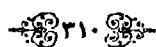
دل ، که از من مر ترا ، فرجام ، تنگ آرد همی
بر سرِ راهِ تو ، با خویشم بچنگ آرد همی
پنجۀ نازکِ ادایش را نگاری دیگرست
خون کند دل را نخست ، آنکه بچنگ آرد همی
بوسه گر خواهی بدین شنگی ، به پیچد تنگ تنگ
عذر اگر باید بمستی ، رنگ رنگ آرد همی
همچنان در بندِ سامانِ مرادش سنجمی
گر ، بجای شیشه ، بخت از دوست سَنک آرد همی



دیده ور آنکه تا نهد دل بشمارِ دلبری
در دلِ سَنک بنگرد ، رقصِ بتانِ آزاری
فیضِ نتیجۀ ورع ، از می و نغمه یاقتم
زهرهٔ ما ، برین اُفق ، داده فروغِ مشتری

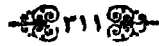
انتخاب غالب

ای تو که هیچ ذره را ، جز بره تو، روی نیست !
در طلبت ، توان گرفت باده را برهبری
هر که دلست در برش ، داغِ تو رویدش ز دل
تا چو بدیگری دهد ، باز بری بداوری
رَشَكِ ملك چه و چرا ، چون بتوره نمی برد ؟
بیهده ، در هوای تو می پرد ، از سَبَكِ سری
حیف ! که من بخونِ تیم وز تو سخن رود که تو
اَشَكِ بدیده بشمری ، ناله بسینه بنگری



امیدگاهِ من و همچو من هزار ، یکیست
ز رَشَكِ ، در صَدَدِ تَرَكِ مدعاستمی
سخن ز دشمن و غمهای ناگوارش نیست
ز دوست ، داغِ ستمهای نارواستمی
دیت مگوی و ملامت مسنج و فتنه مگیر
چه شد ، که هیچ کس ؟ بنده خداستمی

انتخاب غالب



بهارم دیدن و رازم شنیدن بر نمی تابد
نگه تا دیده خونستی، و دل تا زهره آبستی
هجوم جلوه گل، کاروانم را غبارستی
طلوع نشاء می، مشرقم را آفتابستی
فغانم را، نوای صور محشر همغانستی
یانم را، رواج شور طوفان در رکابستی
دلم، صبح شب وصل تو، برکاشانه می لرزد
درو بامم بوجد، از ذوق بوی رخت خوابستی

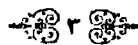


رُبَاعِیَّات

ای داده بیاد عمر، در لُهو و فُسوس !
زنهار! مشو ز رحمتِ حق مایوس
هشدار! کز آتشِ جهنم حق را
تهذیب غرض بود، نه تعذیبِ نفوس



غالب، بگهر، ز دوده زَادَشَم
زان رو، به صفائی، دمِ تیغست دم
چون رفتِ سپیدی، زدم چنگ به شعر
شد تیرِ شکسته نیاگان قلم



هرچند که زشت و ناسزائیم همه
در عهده رحمتِ خدائیم همه
ور جلوه دهد، چنانکه مائیم همه
شایسته نفت و بوریائیم همه

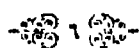
انتخاب قالب



آن مرد که زن گرفت، دانا نبود
از غصه فراغتش، همانا، نبود
دارد بجهان خانه و زن نیست درو
نازم بخدا ! چرا توانا نبود ؟



آن خسته که در نظر بجز یارش نیست
با سود و زیانِ خویشتن، کارش نیست
طالب، ز طلب، رهینِ آثارش نیست
هرچند حنا برگ دهد، بارش نیست

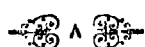


در سینه، ز غم، زخمِ ستانی دارم
چشم و دلِ خونابه فشانِ دارم
دانی که مرا چون تو نمی باید هیچ ؟
ای فارغ ازان که جسم و جانی دارم !

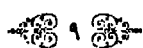
انتخاب غالب



ای آنکه ترا سعی بدرمانِ منست !
 مَنَعَم مکن از باده ؛ که نقصانِ منست
 حیفت ! که بعدِ من بمیراثِ رود
 این يك دوسه خم که در شبستانِ منست

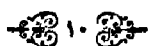


او راست ، اگر هزار چیزم بخشند
 او راست ، اگر بهشت نیزم بخشند
 بر دوست فدا کنم ، بصد گونه نشاط
 جانی که بروزِ رستخیزم بخشند

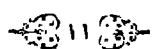


آنم که به پیانه من ، ساقی دهر
 ریزد همه دُرِدِ دَرَد و تلخابه زهر
 بگزر ز سعادت و نحوست ؛ که مرا
 ناهید بغمزه کشت ، و مریخ به قهر

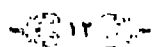
انتخاب غالب



یا رب ! یحسان دلِ خرم ده
در دعوی، جنت، آشتی با هم ده
شَدادِ پسر نداشت، باغش از تست
آن مسکنِ آدم به بنی آدم ده



هرکس، ز حقیقت خبری داشته است
بر خاکِ ره عجز، سری داشته است
زاهد، ز خدا، آرم بدعوی طلبد
شَداد، همایا، پسری داشته است



ای آنکه دهی مایه کم و خواهش بیش !
آروز که وقتِ باز پرس آید پیش
بگزار مرا ؛ که من خیالی دارم
با حسرتِ عیشهای ناکرده خویش

انتخاب غالب

- ۱۳ -

در عالم بی زری ، که تلخست حیات
طاعت نتوان کرد ، بامیدِ نجات
ای کاش از حق اشارتِ صوم و صلوات
بودی بوجودِ مال ، چون حج و زکوات

- ۱۴ -

دستم بکلیدِ مخزنِ می بایست
ور بود تهی ، بدامنی می بایست
یا هیچکم به کس نیفتادی کار
یا خود بزمانه ، چون منی می بایست

- ۱۵ -

هستم ز میء امید سرمست و بسست
دارم سرِ این کلاوه در دست و بسست
گر ارزشِ لطف و کرمی نیست ، مباش
استحقاقِ ترحمی هست و بسست

انتخاب غالب

—۱۶—

بر قولِ تو، اعتمادِ توان کردن
خود را، بگزاف، شادِ توان کردن
از کثرتِ وعده‌های پی‌درپیِ تو
يك وعده درست یادِ توان کردن

—۱۷—

ای کرده به آرایشِ گفتار بسیج
در زلفِ سخن، کشوده راهِ خم و پیچ
عالم، که تو چیزِ دیگرش میدانی،
ذاتِست بسیطِ مُنَبِّسُط، دیگر هیچ

—۱۸—

دارم دلِ شاد و دیدهٔ بینائی
وز کزّی، گوشم، نبود پروائی
خوبست که نشوم ز هر خودرائی
کلبانکِ «أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَى»

انتخاب غالب

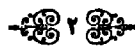
اُردو

کھلتا کسی پہ کیوں ، مرے دل کا معاملہ ؟
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے !!

غزلیات

== الف ==

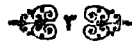
جذبہ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے !
سینہ شمشیر سے باہر ہے ، دم شمشیر کا
بسکہ ہوں ، غالب ، اسیری میں بھی آتش زیرِ پا
موی آتش دیدہ ہے ، حلقہ مری زنجیر کا



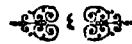
کہتے ہو : دندیں گے ہم ، دل اگر پڑا پایا ،
دل کہاں کہ گم کیجے ؟ ہم نے مدعا پایا
عشق سے ، طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی ، دردِ بے دوا پایا

انتخاب غالب

دوستدارِ دشمن ہے : اعتمادِ دل معلوم !
آہ بے اثر دیکھی ، نالہ نارسا پایا

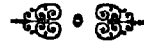


میں عدم سے بھی پرے ہوں ؛ ورنہ ، غافل ! بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عَنقا جل گیا

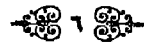


بوی گل ، نالہٴ دل ، دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا ، سو پریشان نکلا
دلِ حسرت زدہ ، تھا مایہٴ لذتِ درد
کامِ یاروں کا ، بقدرِ لب و دندان ، نکلا
تھی نوآموزِ فنا ، ہمتِ دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا !
دل میں ، پھر گریہ نے اک شور اُٹھایا ، غالب
آہ ! جو قطرہ نہ نکلا تھا ، سو طوفان نکلا

انتخاب غالب



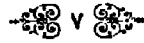
دھر میں ، نقشِ وفا وجہِ تسلی نہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہوا
سبزہ خط سے ، ترا کاکلِ سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی ، حریفِ دمِ آفتی نہوا
میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر ، مرے مرنے پہ بھی ، راضی نہوا



ستایش گر ہے ، زاہد اسقدر ، جس باغِ رضواں کا
وہ اکِ گلدستہ ہے ، ہم یخودوں کی طاقِ نسیاں کا
یاں کیا کیجیے ، یدادِ کاوشہائے مژگاں کا
کہ ہریک قطرہِ خوں ، دانہ ہے تسلیحِ مرجاں کا
نہ آئی سطوتِ قاتل بھی ، مانع میرے نالوں کو
لیا داتوں میں جو تنکا ، ہوا ریشہ نیستان کا

انتخاب غالب

اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ؛ ویرانی تماشا کر ا
مدار، اب کھودنے پر گھاس کے ہے، میرے درباں کا
ہنوز، اک پرتوِ نقشِ خیالِ یارِ باقی ہے ا
دلِ افسردہ، گویا، حجرہ ہے، یوسف کے زندان کا
بغل میں غیر کی، آج آپ سوتے ہیں کہیں ؛ ورنہ
سبب کیا، خواب میں آکر، تبسمائے پنہاں کا ؟



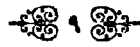
محبت تھی جن سے ؛ لیکن اب یہ یدماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے، ناک میں آتا ہے دم میرا



محرم نہیں ہے تو ہی، نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا ا
رنکِ شکستہ، صبحِ بہارِ نظارہ ہے
یہ وقت ہے، شگفتنِ گلہائے ناز کا ا

انتخاب غالب

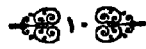
تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز !
میں اور دکھ تری مڑہائے دراز کا !
ہیں ، بسکہ جوشِ بادہ سے ، شیشے اُچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ، ہے سر شیشہ باز کا



شب ہوئی ، پھر انجمِ رخشنده کا منظر کھلا
اس تکلف سے کہ ، گویا ، بتکدے کا در کھلا
گرچہ ہوں دیوانہ ، پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب ؟
آستین میں دَشنہ پنہاں ، ہاتھ میں نِشتر کھلا
گو نہ سمجھوں اُسکی باتیں ، گو نہ پاؤں اُسکا بھید
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا !
ہے ، خیالِ حسن میں ، حسنِ عمل کا سا خیال
خلد کا اک در ہے ، میری گور کے اندر ، کھلا
منہ نہ کھلنے پر ، ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں !
زلف سے بڑھکر ، نقاب اُس شوخ کے منہ پر ، کھلا

انتخاب غالب

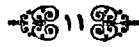
کیا رہوں غربت میں خوش؟ جب ہو حوادث کا یہ حال
نامہ لاتا ہے وطن سے ، نامہ بر اکثر کھلا
اُسکی امت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند؟
واسطے جس شہ کے ، غالب ، گنبدِ بے در کھلا



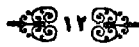
شب کہ برقِ سوزِ دل سے ، زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ، ہر يك حلقۂ گرداب ، تھا !
نالۂ دل میں شب ، اندازِ اثر نایاب تھا
تھا سپندرِ بزمِ وصلِ غیر ، گو بیتاب تھا
مقدمِ سیلاب سے ، دل کیا نشاط آہنگ ہے !
خانۂ عاشق ، مگر ، سازِ صدایِ آب تھا
آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے ؟
کل تلك ، تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
یاد کر وہ دن کہ ہر يك حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں ، اک دیدۂ یخواب تھا

انشاعِ غالب

میں نے روکا رات غالب کو، وگرنہ دیکھتے
آسکے سیلِ گریہ میں، گردوں کفِ سیلاب تھا



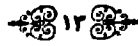
ایک ایک قطرہ کا مجھے، دینا پڑا، حساب
خونِ جگر، ودیعتِ مژگانِ یار تھا
گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو؛ کہ میں
جانداۃِ ہوائے سرِ رہگزار تھا
کم جاتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو، پر اب
دیکھا، تو کم ہوئے پہ، غمِ روزگار تھا



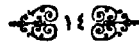
بسکہ دشوار ہے، ہر کام کا آسان ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں، انسان ہونا!
گریہ، چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے، یاباں ہونا

انتخاب غالب

کی، مرے قتل کے بعد، اُس نے جفا سے توبہ
ہاے! اُس زود پشیاں کا پشیاں ہونا
حیف! اُس چارگرہ کپڑے کی قسمت، غالب
جس کی قسمت میں ہو، عاشق کا گریباں ہونا



نالہ دل نے دیے، اوراقِ لختِ دل، پیاد
یادگارِ نالہ، اک دیوانِ بے شیرازہ تھا



دوست، غمخواری میں میری، سعی فرماویں گے کیا؟
زخم کے بھرتے تلک، ناخن نہ بڑھ جاویں گے کیا؟
بے نیازی حد سے گزری؛ بندہ پرور! کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرماویں گے: دکیا؟
حضرتِ ناصح گر آویں، دیدہ و دل فرسِ راہ!
کوئی جھکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاویں گے کیا؟

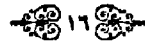
انتخابِ ظاہر



یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا !
اگر اور جیتے رہتے ، یہی انتظار ہوتا
ترے وعدہ پر جیسے ہم ، تو یہ جان ، جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے ، اگر اعتبار ہوتا
تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بُودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا ، اگر استوار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے ، ترے تیرِ نیم کش کوا
یہ خلش کہاں سے ہوتی ، جو جگر کے پار ہوتا ؟
غم اگرچہ جاں گسل ہے ، پہ کہاں بچیں ؟ کہ دل ہے :
غمِ عشق گر نہوتا ، غمِ روزگار ہوتا
کہوں کس سے میں کہ کیا ہے ؟ شبِ غمِ بری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا ، اگر ایک بار ہوتا ؟
اسے کون دیکھ سکتا ؟ کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی ، تو کہیں دوچار ہوتا

انتخابِ غالب

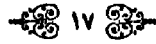
یہ مسایلِ تصوف، یہ ترا بیان، غالب !
تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا



ہوس کوہِ نشاطِ کار کیا، کیا !
نہو مرنا، تو جینے کا مزا کیا ؟
تجاہلِ پیشگی سے مدعا کیا ؟
کہاں تک، اے سراپا نازا، کیا، کیا ؟
نگاہِ بے عجاہا چاہتا ہوں
تغافلہایِ تمکینِ آزما کیا ؟
نفس، موجِ محیطِ یخودی ہے
تغافلہایِ ساقی کا گلا کیا ؟
دلِ ہر قطرہ، ہے سازِ "أنا البحر"،
ہم اُس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا ؟
عجاہا کیا ہے؟ میں ضامن، ادھر دیکھ
شہیدانِ نگہ کا خون بہا کیا ؟

انتخابِ غالب

سُن ، اے غارتگرِ جنسِ وفا اُسُن
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا ؟



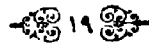
درخورِ قہر و غضب ، جب کوئی ہم سا ، نہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہوا ؟
بندگی میں بھی ، وہ آزادہ و خودیہیں ہیں کہ ہم
اُٹے پھر آئے ، درِ کعبہ اگر وا نہوا
سینہ کا داغ ہے ، وہ نالہ کہ لب تک نکیا
خاک کا رزق ہے ، وہ قطرہ کہ دریا نہوا
نام کا میرے ہے ، جو دکھ کہ کسی کو نملا
کام میں میرے ہے ، جو فتنہ کہ برپا نہوا
ہر بُنِ موسیٰ ، دمِ ذکر ، نہ ٹپکے خوناب
حمزہ کا قصہ ہوا ، عشق کا چرچا نہوا !
قطرہ میں دجلہ دکھائی ندے ، اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا ، دیدہ یینا نہوا !

انتخابِ غالب

تھی خبر گرم کہ غالب کے اُڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے، پہ تماشا نہوا



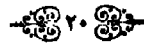
زکاتِ حسن دے، اے جلوۂ یفش اکہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو، کاسہ گدائی کا
وہی اک بات ہے، جو یاں نفس، واں نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ، باعث ہے مری رنگیں نوائی کا



زہرہ گر ایسا ہی، شامِ ہجر میں، ہوتا ہے آبِ
پرتوِ مہتاب، سیلِ خانماں ہو جائیگا
دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے، کیا معلوم تھا؟
یعنی، یہ پہلے ہی نذرِ امتحان ہو جائیگا
سب کے دل میں ہے جگہ تیری؛ جو تو راضی ہوا
مجھ پہ، گویا، اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا

انتخاب غالب

وای ! گر میرا ترا انصاف محشر میں نہو
اب تلك تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا



درد ، منت کشِ دوا نہوا
میں نہ اچھا ہوا ، برا نہوا
ہے خبر گرم اُن کے آنے کی
آج ہی ، گھر میں بوریا نہوا !
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی ؟
بندگی میں ، مرا بھلا نہوا
جان دی ، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہوا
زخم گر دب گیا ، لہو نہ تھنبا
کام گر رک گیا ، روا نہوا
رہزنی ہے ، کہ دلستانی ہے !
لیکے دل ، دلستان روانہ ہوا

انتخاب غالب

— ۲۱ —

دل اُسکو، پہلے ہی ناز و ادا سے، دے بیٹھے
ہمیں دماغ کہاں، حسن کے تقاضا کا؟
فلک کو دیکھ کے، کرتا ہوں اُسکو یاد، اسد
جفا میں اس کی، ہے انداز کارفرما کا

— ۲۲ —

اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا!
غیر نے کی آہ، لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

— ۲۳ —

میں، اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں!
گر مین نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہوا تھا؟
ہے ایک تیر، جس میں دونوں چھدے پڑے ہیں
وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا!
درماندگی میں، غالب، کچھ بن پڑے، تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا، ناخن گرہ کشا تھا

انتخاب غالب

—۲۴—

گھر ہمارا، جو نہ روتے بھی، تو ویراں ہوتا
بحر، گر بحر نہوتا، تو یسا باں ہوتا
تنگی۔ دل کا گلا کیا؟ یہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہوتا، تو پریشاں ہوتا

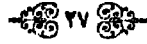
—۲۵—

نہ تھا کچھ، تو خدا تھا؛ کچھ نہوتا، تو خدا ہوتا
ڈبویا جھکو ہونے نے؛ نہوتا میں، تو کیا ہوتا !
ہوا جب غم سے یوں یحس، تو غم کیا سر کے کٹنے کا؟
نہوتا گر جدا تن سے، تو زانو پر دھرا ہوتا
ہونی مدت کہ غالب مر گیا؛ پر یاد آتا ہے
وہ ہر یک بات پر کہنا کہ »یوں ہوتا، تو کیا ہوتا؟«

—۲۶—

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ های گل
کہتے ہیں جسکو عشق، خلل ہے دماغ کا

انتخاب غالب



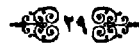
تھا گریزاں مژہ یار سے دل ، تا دمِ مرگ
دفعِ پیکانِ قضا ، اسقدر آساں سمجھا !



پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا
دل ، جگر تشنہ فریاد آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا !
زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی !
کیوں ترا راہگزر یاد آیا ؟
کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی ،
گھر ترا خلد میں گر یاد آیا !
پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال
دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا !

انتخاب غالب

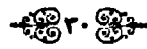
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے !
دشت کو دیکھ کے ، گھر یاد آیا



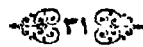
ہوئی تاخیر ، تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے ، مگر کوئی عناں گیر بھی تھا
تم سے یجا ہے ، مجھے اپنی تباہی کا کلا
اُس میں کچھ شایہ خوبی۔ تقدیر بھی تھا
تو مجھے بھول گیا ہو ، تو پتا بتلا دوں ؟
کبھی قِراک میں تیرے ، کوئی نخچیر بھی تھا ؟
یوسف اُسکو کہوں اور کچھ نہ کہے ؟ خیر ہوئی !
گر بکڑ بیٹھے ، تو میں لایقِ تعزیر بھی تھا
پیشہ میں عیب نہیں ؛ رکھیے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفہ سروں میں ، وہ جواں میر بھی ، تھا
ہم تھے مرنے کو کھڑے ، پاس نہ آیا ، نہ سہی
آخر ، اُس شوخ کے ترکش میں ، کوئی تیر بھی تھا ؟

انتخاب غالب

پکڑے جاتے ہیں ؛ فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا؟

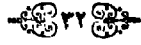


تو دوست کسی کا بھی ، ستمگر ، نہوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہوا تھا
چھوڑا ، مہِ تَخَشُّب کی طرح ، دستِ قضا نے
مُخرشید ، ہنوز ، اُس کے برابر نہوا تھا
توفیق باندازۂ ہمت ہے ، ازل سے
آنکھوں میں ہے ، وہ قطرہ کہ گوہر نہوا تھا
دریای معاصی ، تنکِ آبی سے ، ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ، ابھی ، تر نہوا تھا



کیا کہوں بیماریء غم کی فراغت کا یاں ؟
جو کہ کھایا خونِ دل ، بے منتِ کیموس تھا

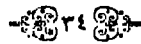
انتخاب غالب



آئینہ دیکھ ، اپنا سا منہ لیکے ، رہ گئے
صاحب کو، دل ندینے پہ، کتنا غرور تھا !
قاصد کو، اپنے ہاتھ سے گردن نہ مارے
اُسکی خطا نہیں ہے ؛ یہ میرا قصور تھا



عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے ، وہ دل نہیں رہا
مرنے کی ، اے دل ! اور ہی تدبیر کر؛ کہ میں
شایانِ دست و بازوی قاتل نہیں رہا !
وا کر دیے ہیں ، شوق نے ، بندِ نقابِ حسن
غیر از نگاہ ، اب کوئی حایل نہیں رہا



رشک کہتا ہے کہ »اُسکا غیر سے اخلاص، حیف !«
عقل کہتی ہے کہ »وہ بے مہر کس کا آشنا ؟«

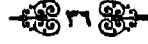
انتخاب غالب

میں، اور اک آفت کا ٹکڑا، وہ دلِ وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا !



ذکر اُس پریوش کا، اور پھر یاں اپنا !
بن گیا رقیب، آخر، تھا جو رازداں اپنا
مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں؟ یا رب !
آج ہی ہوا منظور، اُنکو امتحاں اپنا
منظر اک، بلندی پر، اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا، کاشکے ! مکاں اپنا
دردِ دل لکھوں کبتک؟ جاؤں، اُنکو دکھلا دوں
انگلیاں فگار اپنی، خامہ خونچکاں اپنا
گھستے گھستے مٹ جاتا، آپ نے عبث بدلا
تنگِ سجدہ سے میرے، سنگِ آستان اپنا
ہم کہاں کے دانا تھے؟ کس ہنرمیں یکتا تھے؟
بے سبب ہوا، غالب، دشمنِ آسماں اپنا !

انتخاب غالب



سرمہ مفتِ نظر ہوں : مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا



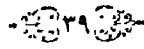
رحمت اگر قبول کرے ، کیا بعید ہے !
شرمندگی سے ، عذر نکرنا گناہ کا
مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں : کہہ
’پر گل ، خیالِ زخم سے ، دامن نگاہ کا !



جور سے باز آنے پر باز آئیں کیا ؟
کہتے ہیں : ”ہم تجکو منہ دکھلائیں کیا ؟“
رات دن ، گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہیگا کچھ نہ کچھ ، گہرائیں کیا ؟
ہولے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ ؟
یا رب ! اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا ؟

انتخابِ غالب

موجِ خوں سر سے گزر رہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اُنھ جائیں کیا؟
عمر بھر، دیکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے پر، دیکھیے، دکھلائیں کیا؟
پوچھتے ہیں وہ کہ، غالب کون ہے؟
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟



عشرتِ قطرہ ہے، دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا، ہے دوا ہو جانا
تجھ سے، قسمت میں مری، صورتِ قفلِ آبِ جَد
تھا لکھا، بات کے بنتے ہی، جدا ہو جانا!
اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم، اللہ، اللہ!
اسقدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا!!
دل سے مٹنا تری انگشتِ خانی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

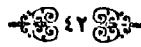
انتخاب غالب

== ب ==

جو ہوا غرقہ مے ، بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گزرے پہ بھی ، ہے بالِ ہما ، موجِ شراب

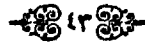
== ت ==

افسوس ! کہ دندان کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی ، تھی درخورِ عقدِ گہر ، انگشت

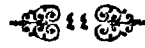


رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پہراک روز مرنا ہے ، حضرت سلامت !
جگر کو مرے ، عشقِ خونابہ مشرب
لکھے ہے ، خداوندِ نعمت ، سلامت !
علی الرّغم دشمنِ شہیدِ وفا ہوں
مبارک ، مبارک ! سلامت ، سلامت !

انتخاب غالب



مندگنیں، کھولتے ہی کھولتے، آنکھیں، غالب
یار لائے مرہو بالیں پہ اُسے، پر کسوقت !

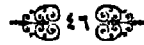


عشق میں، یدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے
کشتہ دشمن ہوں، آخر؛ گرچہ تھا بیمارِ دوست
چشمِ ما روشن اکہ اُس یدرد کا دل شادھے
دیدہ پرخوں ہمارا، ساغرِ سرشارِ دوست
یہ غزل اپنی، مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیفِ شعر میں، غالب، زبس تکرارِ دوست

ج

اے عافیت ! کنارہ کر؛ اے انتظام ! چل
سیلابِ گریہ، در پی دیوار و در ہے، آج

انتخاب غالب



لو، ہم مریضِ عشق کے بیماردار ہیں
اچھا اگر نہو، تو مسیحا کا کیا علاج؟



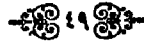
حسن، غمزے کی کشاکش سے چھٹا، میرے بعد
بارے، آرام سے ہیں اہلِ جفا، میرے بعد
شمع بجھتی ہے، تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے
شعلہٴ عشق سیہ پوش ہوا، میرے بعد
خوں ہے دل، خاک میں، احوالِ بتاں پر: یعنی
ان کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا، میرے بعد
"کون ہوتا ہے حریفِ می۔ مردِ افکنِ عشق؟"،
ہے مکرر لبِ ساقی میں صلا، میرے بعد
غم سے مرتا ہوں، کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا، میرے بعد

انتخاب غالب

== ر ==

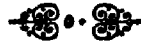
بلا سے ، ہیں جو بہ پیشِ نظر، در و دیوار
نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر، در و دیوار
و فورِ اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئے مرے دیوار و در، در و دیوار
نہیں ہے سایہ ؛ کہ سنکر نویدِ مقدمِ یار
گئے ہیں چند قدمِ پیشتر، در و دیوار
ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے
کہ گر پڑے نہ مرے پانو پر در و دیوار ؟
وہ آ رہا مرے ہمسایہ میں ، تو سائے سے
ہوئے فدا در و دیوار پر ، در و دیوار
نظر میں کھٹکے ہے ، بن تیرے ، گھر کی آبادی
ہمیشہ روتے ہیں ہم ، دیکھ کر در و دیوار

انتخاب غالب



گھر جب بنا لیا ترے در پر، کہے بغیر
جانے کا اب بھی تو نہ مرا گھر، کہے بغیر؟
کام اُس سے آپڑا ہے، کہ جسکا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام، ستمگر کہے بغیر
چھوڑوں گا میں نہ اُس بتِ کافر کا پوجنا
چھوڑے نہ خلق، گو، مجھے کافر کہے بغیر!
مقصد ہے ناز و غمزہ؛ ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے، کدشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند، ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے، بادہ و ساغر کہے بغیر
بہرا ہوں میں، تو چاہیے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات، مکرر کہے بغیر

انتخابِ غالب



کیوں جل گیا نہ تابِ رخِ یار دیکھکر؟
جلتا ہوں، اپنی طاقتِ دیدار دیکھکر
کیا آبروی عشق؟ جہاں عام ہو جفا
رکتا ہوں، تمکو دے سب آزار، دیکھکر
ثابت ہوا ہے، گردنِ مینا پہ، خونِ خلق
لرزے ہے موجِ نمی، تری رفتار دیکھکر
بکجاتے ہیں ہم آپ، متاعِ سخن کیساتھ
لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھکر
زنار باندھ، سُبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
دھرو، چلے ہے راہ کو ہموار دیکھکر
گرفی تھی ہم پہ برقِ تجلی، نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ، ظرفِ قدحِ خوار دیکھکر
سر پھوڑنا وہ، غالبِ شوریدہ حال کا
یاد آ گیا مجھے، تری دیوار دیکھکر!

انتخاب غالب



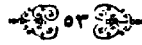
نہ چھوڑی حضرت یوسفؑ نے یان بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدہ یعقوبؑ کی پھرتی ہے زنداں پر
فراغت کس قدر رہتی مجھے، تشویشِ مرہم سے !
بہم گر صلح کرتے پارہایِ دل، نمکدان پر
مجھے، اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ، یاد آیا
کہ فرقت میں تری، آتش برستی تھی گلستان پر
نہ لڑ ناصح سے، غالبؑ؛ کیا ہوا اگر اُس نے شدت کی؟
ہمارا بھی تو، آخر، زور چلتا ہے گریباں پر !



ہے بسکہ، ہراک اُن کے اشارے میں، نشاں اور
کرتے ہیں محبت، تو گزرتا ہے جگاہ اور
یارب ! وہ نہ سمجھے ہیں، نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل اُنکو، جو نہ دے جھکو زباں اور !

انتخاب غالب

سم شہر میں ہو، تو ہمیں کیا غم؟ جب اٹھینکے
لے آئیں گے، بازار سے جا کر، دل و جاں اور
ہے خونِ جگر جوش میں؛ دل کھولکے روتا،
ہوتے جو کئی دیدہ خونابہ فشاں اور!
مرتاً ہوں اس آواز یہ! ہرچند سر اُڑ جائے
جلاد کو، لیکن، وہ کہے جائیں کہ "ہاں اور!"
پاتے نہیں جب راہ، تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے مری طبع، تو ہوتی ہے رواں اور



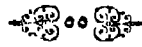
نہ کی، سامانِ عیش و جاہ نے، تدبیر وحشت کی
ہوا، جامِ زمرد بھی مجھے داغِ پلنگ، آخر



جنوں کی دستگیری کس سے ہو، گر ہو نہ عریانی؟
گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے، میری گردن پر

انتخاب غالب

ہم اور وہ بے سبب رنج، آشنا دشمن، کہ رکھتا ہے
شعاعِ مہر سے، تہمت نگہ کی، چشمِ روزن پر!



مٹ جائیگا سر، گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہوں، در پہ ترے ناصیہ فرسا، کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو: »قیامت کو ملینگے،
کیا خوب! قیامت کا ہے، گویا، کوئی دن اور
ناداں ہو، جو کہتے ہو کہ، کیوں جیتے ہیں غالب
قسمت میں ہے، مرنے کی تمنا، کوئی دن اور



کیونکر اُس بت سے رکھوں جان عزیز؟
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز؟
دل سے نکلا؛ پہ نہ نکلا دل سے
ہے، ترے تیر کا پیکان، عزیز

انتخاب غالب

تاب لائے ہی بنے گی ، غالب
واقعہ سخت ہے ، اور جان عزیز



نہ گلِ نغمہ ہوں ، نہ پردہ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز
تو اور آرایشِ خُم کا کل
میں اور اندیشہای دور دراز !

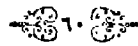
س

مُند گتیں ، کھولتے ہی کھولتے ، آنکھیں ، ہے ، ہے !!
خوب وقت آئے تم ، اس عاشقِ بیار کے پاس !
دیکھ کر تجھ کو ، چمن بس کہ نمو کرتا ہے
خود بخود پہنچے ہے گل ، گوشہٴ دستار کے پاس
مر گیا ، پھوڑ کے سر ، غالبِ وحشی ، ہے ، ہے !!
بیٹھنا اُس کا وہ ، آ کر تری دیوار کے پاس !

انتخاب غالب

ک

زخم پر چھڑکیں کہاں، طفلانِ بے پروا، نمک؟
 کیا مزا ہوتا، اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک!
 داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی، واہ، واہ!
 یاد کرتا ہے مجھے، دیکھے ہے وہ جس جا نمک
 یاد ہیں، غالب، تجھے وہ دن، کہ وجدِ ذوق میں
 زخم سے گرتا، تو میں پلکوں سے چلتا تھا نمک؟



ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے؛ لیکن
 خاک ہو جائینگے ہم، تم کو خبر ہوتے تک

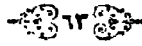
ل

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لئے، بہار
 میرا رقیب ہے، نفسِ عطر سائی گل
 تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک
 بے اختیار، دوڑے ہے گل در قفای گل

انتخاب غالب

== م ==

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو، بیش از يك نفس
برق سے، کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ، ہم
دایم الحبس اس میں ہیں لا کھوں تمنائیں، اسدا!
جاتے ہیں، سینہ پر خوں کو زنداں خانہ، ہم

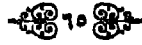


مجھ کو دیارِ غیر میں مارا، وطن سے دور
رکھ لی مرے خدائے، مری یکسی کی شرم
وہ حلقہای زلف کہیں میں ہیں؛ اے خدا
رکھ لیجو، میرے دعویٰ و ارستگی کی شرم!

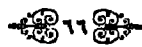
== ن ==

لوں وام بختِ خفته سے يك خوابِ خوش؛ ولے
غالب، یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں؟

انتخاب غالب



کی وفا ہم سے، تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آتی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
آج، ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں، پر دیکھیے، کیا کہتے ہیں؟
اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انہیں کچھ نہ کہو
جو می و نعمہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں
ہے پرے سرحدِ ادراک سے، اپنا مسجود
قبلہ کو، اہلِ نظرِ قبلہ نما، کہتے ہیں
دیکھیے، لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ؟
اُس کی ہر بات پہ ہم و نامِ خدا، کہتے ہیں



آبرو کیا خاک اُس گل کی، کہ گلشن میں نہیں؟
ہے گریباں تنکِ پیراھن، جو دامن میں نہیں

انتخاب غالب

ضعف سے، اے گریہ اچھہ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اڑ گیا، جو خوں کہ دامن میں نہیں
ہو گئے ہیں جمع، اجزای نگاہِ آفتاب؛
ذرے، اُسکے گھر کی دیواروں کے روزن میں، نہیں
ہو فشارِ ضعف میں کیا، ناتوانی کی نمود؟
قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں



عہدے سے، مدحِ نازکے، باہر نہ آسکا!
گر ایک ادا ہو، تو اُسے اپنی قضا کہوں
میں اور صد ہزار نوای جگر خراش!
تو اور ایک وہ نہ شنیدن، کہ کیا کہوں!
ظالم، مرے کماں سے مجھے منفعل نہ چاہ!
ہے، ہے! خدا نکرده! تجھے بیوفا کہوں!

منتخب غالب

—۶۸—

مہرباں ہو کے بلالو مجھے، چاہو جسوقت
میں، گیا وقت نہیں ہوں، کہ پھر آ بھی نہ سکوں
ضعف میں، طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے؟
بات، کچھ سرتو نہیں ہے، کہ اُنھا بھی نہ سکوں
زہر ملتا ہی نہیں جکو، ستمگر؛ ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی، کہ کھا بھی نہ سکوں؟

—۶۹—

ہم سے کھل جاؤ، بوقتِ تمی پرستی، ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے، رکھ کر عذرِ مستی، ایک دن

—۷۰—

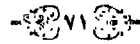
ہم پر، جفا سے، ترکِ وفا کا گماں نہیں
اک چھیڑ ہے؛ وگرنہ مراد امتحان نہیں
کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا؟
پرسش ہے، اور پای سخنِ درمیاں نہیں

انتخاب غالب

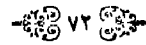
ہم کو ستم عزیز، ستمگر کو ہم عزیز
نامہرباں نہیں ہے، اگر مہرباں نہیں
بوسہ نہیں، نہ دیجیے، دشنام ہی سہی
آخر زباں تو رکھتے ہو تم، گر دھاں نہیں
ہر چند جانگدازی، قہر و عتاب ہے؛
ہر چند پشت گرمی، تاب و توان نہیں
جاں، مطربِ ترانہ "ہَلْ مِنْ مَزِيد"، ہے
لب، پردہ سنجِ زمزمہ "أَلَا مَاء"، نہیں
خنجر سے چیر سینہ، اگر دل نہو دو نیم
دل میں چھری چبھو، مڑہ گر خونچکاں نہیں
ہے تنگِ سینہ، دل اگر آشکدہ نہو
ہے عارِ دل، نفس اگر آذر فشاں نہیں
نقصاں نہیں جنوں میں؛ بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمیں کے بدلے، بیاباں گراں نہیں

انتخاب غالب

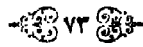
جاں ھے بہاوی بوسہ ؛ ولے کیوں کہے ، ابھی
غالب کو جاتا ھے کہ وہ نیمجاں نہیں



مانعِ دشتِ نوردی ، کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ھے مرے پانوں میں ، زنجیر نہیں
سر کھجاتا ھے ، جہاں زخمِ سراچھا ہو جائے
لذتِ سنگِ باندازہِ تقریر نہیں

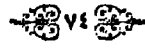


مت ، مردمکِ دیدہ میں ، سمجھو یہ نگاہیں
ہیں جمع ، سویدایِ دلِ چشم میں ، آہیں

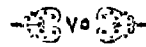


برشکالِ گریہِ عاشق ھے ؛ دیکھا چاہیے
کھل گئی ، مانندِ گل سو جاے ، دیوارِ چمن

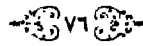
انتخابِ غالب



ہے تجلی تری سامانِ وجود
ذره بے پرتوِ خُرشید نہیں
کہتے ہیں، جیتے ہیں امید پہ لوگ،
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں



ترے سروِ قامت سے، اک قدرِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں



ملتی ہے خوی یار سے، نار، التهاب میں
کافر ہوں، گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں
تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا ~~وہم~~ کر گئے، آئے جو خواب میں
قاصد کے آتے آتے، خط اک اور لکھ رکھوں
میں جاتا ہوں، جو وہ لکھیں گے جواب میں

انتخابِ غالب

مجھ تک کب اُنکی بزم میں آتا تھا دورِ جام ؟
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں ؟
میں اور حَظِ وصل، خدا ساز بات ہے !
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
ہے تیوری چڑھی ہوئی، اندر نقاب کے
ہے اک شکن پڑی ہوئی، طرفِ نقاب میں
لاکھوں لگاؤ، ایک چرانا نگاہ کا !
لاکھوں بناؤ، ایک بگڑنا عتاب میں !
وہ نالہ، دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
جس نالہ سے، شکاف پڑے آفتاب میں !
وہ سحر، مدعا طلبی میں نہ کام آئے
جس سحر سے، سفینہ رواں ہو سراب میں !



اُتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بعد ہے
جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

انتخابِ طالب

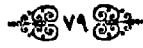
اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں، پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں !
ہے مشتمل نمودِ 'صَوْر' پر وجودِ بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں ؟
ہے غیبِ غیب، جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز، جو جاگے ہیں خواب میں



چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہراک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں ؟
جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش ! جاتا نہ ترے رہگزر کو میں
ہے کیا، جو کسکے باندھنے ؟ میری بلا ڈرے !
کیا جاتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں ؟
لو وہ بھی کہتے ہیں کہ : 'یہ بے تنگ و نام ہے،
یہ جاتا اگر، تو لٹاتا نہ گھر کو میں

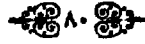
انتخاب غالب

چلتا ہوں تھوڑی دور ہراک تیز رو کے ساتھ؛
پہچاتا نہیں ہوں، ابھی، راہبر کو میں
خواہش کو احقوں نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہوں اُس بتِ یدادگر کو میں؟

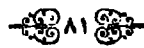


ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے، تو کچھ دور نہیں
وعدہ سیرِ گلستاں ہے، خوشا طالعِ شوق!
مژدہ قتلِ مقدر ہے، جو مذکور نہیں
شاہدِ ہستی، مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ”ہے“، پر ہمیں منظور نہیں
قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا؛ لیکن
ہم کو تقلیدِ تنکِ ظرفیہ، منصور نہیں
میں جو کہتا ہوں کہ ”ہم لینکے قیامت میں تمہیں“،
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ”ہم حور نہیں“!

انتخابِ غالب



نالہ جز حسنِ طلب ، اے ستمِ ایجاد ! نہیں
ہے تقاضایِ جفا ، شکوۂ یداد نہیں
عشق و مزدوری۔ عشرتِ گدِ خسرو، کیا خوب !
ہم کو تسلیم ، نکونامی۔ فرہاد ، نہیں
کم نہیں وہ بھی خرابی میں ، پہ وسعت معلوم !
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گہرِ یاد نہیں
نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش ، گویا
دی ہے ، جای دھن اُسکو دمِ ایجاد ، نہیں
کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچہ سے ، بہشت
یہی نقشہ ہے ، ولے اسقدر آباد نہیں



دونوں جہان دیکے ، وہ سمجھے ، یہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں !

انتخاب غالب

تھک تھک کے ، ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں ، تو ناچار کیا کریں ؟



وہ آئے گھر میں ہمارے ؛ خدا کی قدرت ہے !
کبھی ہم اُنکو ، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو !
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں ؟

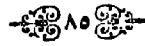


علاوہ عید کے ، ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدای کوچہ میخانہ نامراد نہیں
جہاں میں ہو غم و شادی بہم ؛ ہمیں کیا کام ؟
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
تم اُنکے وعدہ کا ذکر اُن سے کیوں کرو ، غالب ؟
یہ کیا کہ تم کہو ، اور وہ کہیں کہ یاد نہیں ، ؟

انتخاب غالب



تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
قیدِ ہستی سے رہائی معلوم !
اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
اہلِ تدبیر کی واماندگیوں !
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

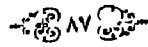


دایم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاکِ ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں !
یا رب ! زمانہ مج کو مٹاتا ہے کس لئے ؟
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں
حدِ چاہیے سزا میں ، عقوبت کے واسطے
آخر، گناہگار ہوں ، کافر نہیں ہوں میں !

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
 خاک میں، کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں!
 یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزمِ آرائیاں؛
 لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں
 قید میں یعقوب نے لی، گو، نہ یوسف کی خبر؛
 لیکن آنکھیں روزِ دیوارِ زنداں ہو گئیں
 جویِ خوں آنکھوں سے بہنے دو؛ کہ ہے شامِ فراق
 میں یہ سمجھونگا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں
 ان پرزادوں سے، لینکے خلد میں ہم انتقام
 قدرتِ حق سے، یہی حوریں اگر واں ہو گئیں
 نیند اُسکی ہے، دماغ اُسکا ہے، راتیں اُسکی ہیں
 تیری زلفیں، جس کے بازو پر، پریشاں ہو گئیں
 بسکہ روکا میں نے، اور سینہ میں اُبھریں پے بہ پے
 میری آہیں، بخینہ چاکِ گریباں ہو گئیں

انتخاب غالب

۱۔ وِخِدِ هِن؛ ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں، اجزای ایمان ہو گئیں
رنج سے خوگر ہوا انساں، تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں جھپٹ پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

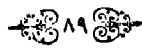


دیوانگی سے، دوش پہ زنار بھی نہیں:
یعنی ہمارے جیب میں اک تار بھی نہیں
ملنا ترا اگر نہیں آساں، تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
شوریدگی کے ہاتھ سے، ہے سر و بالِ دوش
صحرا میں، اے خدا! کوئی دیوار بھی نہیں؟
اس سادگی پہ کون نہ مرجائے؟ اے خدا!
لڑتے ہیں، اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

انتخاب غالب



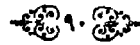
نہیں ہے زخمِ کوئی، بخیہ کے درخور، مرے تن میں
 ہوا ہے تارِ اشکِ یاس، رشتہ چشمِ سوزن میں
 ودیعت خانہ یدادِ کاوشہای مژگاں ہوں
 نگینِ نامِ شاہد ہے مرے، ہر قطرہ خون، تن میں
 بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی؟
 شبِ مہ ہو، جو رکھد ^{میں} پنبہ دیواروں کے روزن میں
 ہزاروں دل دیے، جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو
 سیہ ہو کر، سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن میں



مزے جہان کے اپنی نظر میں خاکِ نہیں!
 سوای خونِ جگر، سو جگر میں خاکِ نہیں!
 مگر غبار ہوے پر، ہوا اُڑا لیجائے؛
 وگرنہ تاب و توانِ بال و پر میں خاکِ نہیں!

انتخابِ غالب

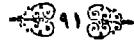
ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ
سوائے حسرتِ تعمیر، گھر میں خاک نہیں



دل ہی تو ہے، نہ سنگِ وحشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار؛ کوئی ہمیں ستائے کیوں؟
دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستان نہیں
بیٹھے ہیں رہگزر پہ ہم، غیر ہمیں اُٹھائے کیوں؟
دشنہ غمزہ جانستاں، ناؤکِ ناز بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رخ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں؟
قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے، آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟
حسن اور اُس پہ حسنِ ظن! رہ گئی بواہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے، غیر کو آزمائے کیوں؟
واں وہ غرورِ عز و ناز، یاں یہ حجابِ پاسِ وضع!
راہ میں ہم ملیں کہاں؟ بزم میں وہ بلائے کیوں؟

انتخابِ غالب

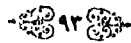
غالبِ خستہ کے بغیر، کون سے کام بند ہیں؟
روئے زار زار کیا؟ کیجیے ہائے، ہائے کیوں؟



غنچہ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ »یوں؟«
بوسہ کو پوچھتا ہوں میں، منہ سے مجھے بتا کہ »یوں«
رات کے وقت می پیے، ساتھ رقیب کو لیے
آنے وہ یاں، خدا کرے! پر نہ کرے خدا کہ یوں!
میں نے کہا کہ »بزمِ ناز چاہیے غیر سے تھی«
سنکے، ستم ظریف نے جھکو اُنھا دیا کہ »یوں؟«



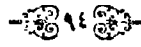
بقدرِ حسرتِ دل چاہیے، ذوقِ معاصی بھی
بھروں يك گوشہ دامن، گر آبِ ہفت دریا ہو



کعبہ میں جا رہا، تو نہ دو طعنہ؛ کیا کہیں
بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کُشت کو؟

انتخاب غالب

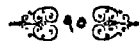
طاعت میں تا رہے نہ می و انگیں کی لاک
دوزخ میں ڈالدو، کوئی لیکر بہشت کو
ہوں منحرف نہ کیوں، رہ و رسمِ ثواب سے؟
ٹیڑھا لگا ہے قط قلمِ سرنوشت کو
غالب، کچھ اپنی سعی سے کہنا نہیں مجھ سے
خرمن چلے، اگر نہ ملخ کھائے کشت کو



وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہو؟
کیجے ہمارے ساتھ، عداوت ہی کیوں نہو؟
چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگِ اختلاط کا
ہے دل پہ بار، نقشِ محبت ہی کیوں نہو؟
» پیدا ہوئی ہے، « کہتے ہیں، » ہر درد کی دوا،
یوں ہو، تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہو؟
ہنگامۂ زبونی ہمت ہے، انفعال
حاصل نہ کیجے دھر سے، عبرت ہی کیوں نہو؟

انتخابِ غالب

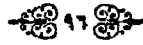
مثلا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی !
عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہو؟



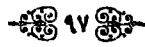
قفس میں ہوں؛ گرا چھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا برا کیا ہے، نواسنجانِ گلشن کو
نہیں گرہمدی آساں، نہو، یہ رشک کیا کم ہے؟
نہ دی ہوتی، خدایا! آرزوی دوست دشمن کو!
خدا شرمائے ہاتھوں کو؛ کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریباں کو، کبھی جاناں کے دامن کو!
ابھی ہم قتلگہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں!
نہیں دیکھا، شنور جوی خوں میں، تیرے توسن کو
ہوا چرچا جو میرے پانو کی زنجیر بنے کا
کیا بیتاب، کان میں، جنبشِ جوہر نے آہن کو
خوشی کیا، کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے!
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈھے ہے، ابھی سے، برقِ خرمن کو

انتخاب غالب

نہ لٹا دن کو، تو کب رات کو یوں پیخبر سوتا ؟
رہا کھٹکا نہ چوری کا ؛ دعا دیتا ہوں رہزن کو



دی سادگی سے جان ، پڑوں کو ہکن کے پانوا
ہیات ! کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانوا
مرہم کی جستجو میں ، پھرا ہوں جو دور دور
تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانوا
ہے جوشِ گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
اُڑتے ہوئے ، اُلجھتے ہیں مرغِ چمن کے پانوا
شب کو کسی کے خواب میں آیا نہو کہیں ؟
دکھتے ہیں ، آج ، اُس بتِ نازکِ بدن کے پانوا

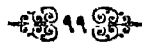


واں اُسکو ہولِ دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار :
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہو ؟

انتخاب غالب



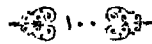
واں پہنچکر، جو غش آتا پیہم ہے، ہم کو
صد رہ، آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے، ہم کو
جان کر کیجے تغافل، کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہِ غلط انداز تو سہم ہے، ہم کو
تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی سہم ہے، ہم کو



تم جانو، تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو، تو کیا گناہ ہو؟
بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے، تو تم گواہ ہو
کیا وہ بھی یکنہ کُش و حق ناشناس ہیں؟
مانا کہ تم بشر نہیں، 'خرشید و ماہ ہو

انتخاب غالب

اُبھرا ہوا نقاب میں ہے اُنکے، ایک تار
مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہوا
جب میکدہ چھٹا، تو پھر اب کیا جگہ کی قید؟
مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو!
سننے ہیں جو ہشت کی تعریف، سب درست
لیکن، خدا کرے! وہ ترا جلوہ گاہ ہو



گئی وہ بات کہ ہو گفتگو، تو کیونکر ہو؟
کہے سے کچھ نہوا، پھر کہو تو، کیونکر ہو؟
تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا
بتوں کی ہوا اگر ایسی ہی خو، تو کیونکر ہو؟
اُلجھتے ہو تم، اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے، شہر میں ہوں ایک دو، تو کیونکر ہو؟
جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو، تو کیونکر ہو؟

انتخاب غالب

— ۱۰۱ —

کسی کو دیکے دل، کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو؟
نہو جب دل ہی سینہ میں، تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو؟
وہ اپنی خونہ چھوڑینگے، ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں؟
سبک سرہنکے کیا پوچھیں کہ، ہم سے سرگراں کیوں ہو؟
کیا غمخوار نے رسوا؛ لیکے آگ اس محبت کو!
نہ لاوے تاب جو غم کی، وہ میرا راز داں کیوں ہو؟
وفا کیسی؟ کہاں کا عشق؟ جب سر پہوڑنا ٹھہرا
تو پھر، اے سنگِ دل! تیرا ہی سنگِ آستان کیوں ہو؟
غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ؛ دیکھو، جرم کس کا ہے؟
نہ کہینچو گر تم اپنے کو، کشاکش درمیاں کیوں ہو؟
یہی ہے آزمانا، تو ستانا کس کو کہتے ہیں؟
عدو کے ہو لیے جب تم، تو میرا امتحاں کیوں ہو؟
نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو، غالب؟
ترے یسمر کہنے سے، وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہوا!

انتخاب غالب

— ی —

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہئے
بھوں پاس آنکھ، قبلۂ حاجات ! چاہئے
سیکھے ہیر، مہ رخوں کیلئے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے
مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاء کو؟
اگ گو نہ یخودی، مجھے دن رات چاہئے

— ۱۰۲ —

بساطِ عجز میں تھا ایک دل، یک قطرہ خوں وہ بھی
سو رہتا ہے، باندازِ چکیدن سرنگوں، وہ بھی
نہ اتنا بُرشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ !
مرے دریایِ یتابی میں ہے اک موجِ خوں، وہ بھی
می۔ عشرت کی خواہش، ساقیہ گردوں سے کیا کیجے؟
لئے یتنہا ہے اک دو چار جامِ واژگوں، وہ بھی

انتخاب غالب

—۱۰۴—

یہ دادرِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی، آخر
ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

—۱۰۵—

تا، ہم کو شکایت کی بھی، باقی نہ رہے جا
سن لیتے ہیں، گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
غالب، ترا احوال سنا دیں گے ہم اُنکو
وہ سنکے بلا لیں، یہ اجارا نہیں کرتے

—۱۰۶—

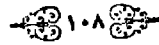
گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا ؟
وہ جو رکھتے تھے ہم، اک حسرتِ تعمیر، سوھے

—۱۰۷—

کُھلے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا، یارب ؟
قسم کھائی ہے، اُس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

انتخابِ غالب

ہماری سادگی تھی ، التفاتِ ناز پر مرنا
ترا آنا نہ تھا ، ظالم ! مگر تمہید جانے کی
کہوں کیا خوبی۔ اوضاعِ انہی زماں ، غالب ؟
بدی کی اُس نے ، جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی



کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے
جس میں کہ ایک یضہ مور آسمان ہے !
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ، ذرے میں جان ہے
کیا خوب ! تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا ؟
بس چپ رہو ؛ ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
ہے ، بارے ، اعتمادِ وفاداری اسقدر !
غالب ، ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

انتخاب غالب

—۱۰۹—

کس طرح کاٹے کوئی، شبہای تارِ برشکال؟
ہے نظرِ خوکردهٔ اختر شماری، ہائے، ہائے!!
گوشِ مہجورِ پیام و چشمِ محرومِ جمال!
ایک دل، تسپرِ یہ ناامیدواری، ہائے، ہائے!!

—۱۱۰—

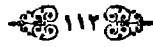
سرگشتگی میں، عالمِ ہستی سے یاس ہے
تسکینِ کودے نوید کہ »مرنے کی آس ہے«
لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر
ابتک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے!
پی، جسقدر ملے، شبِ مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

—۱۱۱—

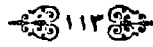
گر خامشی سے فائدہ اخفایِ حال ہے
خوش ہوں! کہ میری بات سمجھنی محال ہے

انتخاب غالب

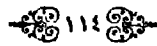
ہے ، ہے ! خدا نخواستہ ، وہ اور دشمنی !
اے شوقِ منفعل ! یہ تجھے کیا خیال ہے ؟
ہستی کے مت فریب میں آجائیو ، اسدا !
عالم تمام حلقہٴ دامِ خیال ہے



تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ ، کھود کھود کے ، پوچھو
حذر کرو مرے دل سے ؛ کہ اس میں آگ دبی ہے



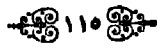
ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا ، سو بھی مٹ گیا
ظاہرا ، کاغذِ ترے خط کا غلط بردار ہے
مجھ سے مت کہہ : ”تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی“ ؛
زندگی سے بھی مرا جی اندنوں بیزار ہے



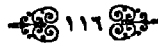
خزاں کیا ؟ فصلِ گل کہتے ہیں کس کو ؟ کوئی موسم ہو :
وہی ہم ہیں ، قفس ہے اور ماتمِ بال و پر کا ہے

انتخاب غالب

وفای دلبراں ہے اتفاق ؛ ورنہ ، اے ہمد !
اثر فریادِ دلہای حزیں کا ، کس نے دیکھا ہے ؟



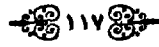
پیکرِ عشاق ، سازِ طالعِ ناساز ہے
نالہ ، گویا ، گردشِ سیارہ کی آواز ہے



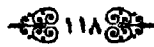
عشق بھگو نہیں ، وحشت ہی سہی
میری وحشت ، تری شہرت ہی سہی
قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے ، تو عداوت ہی سہی
ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں ؟
نہ سہی عشق ، مصیبت ہی سہی
کچھ تو دے ، اے فلکِ ناانصاف !
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

انتخاب غالب

م بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی، تری عادت ہی سہی



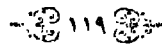
مے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
صبح وطن، مے خندہ دندانما مجھے
مستانہ، طے کروں ہوں رہِ وادی۔ خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے
کرتا مے، بسکہ، باغ میں تو بے حجایاں
آنے لگی مے نکھتِ گل سے حیا مجھے
کھلتا کسی پہ کیوں، مرے دل کا معاملہ؟
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے!!



اُس بزم میں، مجھے نہیں بنتی حیا کئے
بیٹھا رہا، اگرچہ اشارے ہوا کئے

انتخاب غالب

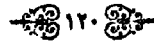
دل ہی تو ہے ؛ سیاستِ درباں سے ڈر گیا
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کئے
بے صرفہ ہی گزرتی ہے ، ہو گرچہ عمرِ خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے؟
ضد کی ہے اور بات ؛ مگر خو بری نہیں
بھولے سے، اُس نے سیکڑوں وعدے وفا کئے
غالب ، تمہیں کہو کہ »ملے کا جواب کیا؟«
مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے



رفتارِ عمر ، قطعِ رہِ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو، برقِ آفتاب ہے
زخمی ہوا ہے پاشنہ پای ثبات کا
نے بھاگنے کی گتوں، نہ اقامت کی تاب ہے
میں ، نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں؟
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

انتخابِ غالب

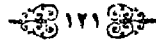
گزرا ، اسد ، مسرتِ پیغامِ یار سے ؛
قاصد پہ مجکو رشکِ سوال و جواب ہے !



دلِ ناداں ! تجھے ہوا کیا ہے ؟
آخر ، اس درد کی دوا کیا ہے ؟
ہم ہیں مشتاق ، اور وہ بیزار
یا النہی ! یہ ماجرا کیا ہے ؟
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں :
کاش ! پوچھو کہ دمدا کیا ہے ؟
جبکہ تجھے بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ ، ایخدا ! کیا ہے ؟
یہ پریچہرہ لوگ کیسے ہیں ؟
غمرہ و عشوہ و ادا کیا ہے ؟
شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ہے ؟
نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے ؟

انتخاب غالب

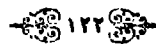
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ؟
ابر کیا چیز ہے ؟ ہوا کیا ہے ؟
ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید ،
جو نہیں جانتے ، وفا کیا ہے ؟
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے ، تو برا کیا ہے ؟



کہتے تو ہو تم سب کہ »بتِ غالیہ مو آئے!«
یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ »وو آئے!«
ہوں کشمکشِ نزع میں ، ہاں ! جذبِ محبت ،
کچھ کہ نہ سکوں ، پروہ مرے پوچھنے کو آئے!
ہے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم
آنا ہی سمجھ میں مرے آتا نہیں ، گو آئے
ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
ہاں ، منہ سے مکر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

انتخابِ طالب

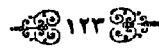
جلاد سے ڈرتے ہیں، نہ واعظ سے جھکڑتے
ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے، جس بھیس میں جو آئے
ہاں ! اہلِ طلب، کون سے طعنہ نایافت ؟
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں، اپنے ہی کو کھو آئے
اپنا وہ نہیں شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اُس در پہ نہیں بار، تو کعبہ ہی کو ہو آئے
کی ہمنفسوں نے اثرِ گریہ میں تقریر؛
اچھے رہے آپ اُس سے، مگر جھکو ڈبو آئے
اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے، غالب !
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے



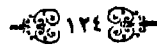
پھر، کچھ اکِ دل کو یقراری ہے
سینہ جو یای زخمِ کاری ہے
پھر، جگر کھودنے لگا ناخن
آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

انتخابِ غالب

پھر، اُسی بیوفا پہ مرتے ہیں
پھر، وہی زندگی ہماری ہے
بینخودی بے سبب نہیں، غالب
کچھ تو ہے، جس کی پردہ داری ہے



جنوں تہمت کشِ تسکین نہو، گر شادمانی کی؛
نمکِ پاشِ خراشِ دل ہے، لذتِ زندگانی کی



پنہاں تھا دامِ سختِ قریبِ آشیان کے؛
اُڑنے نہ پانے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
تیری وفا سے کیا ہو تلافی؟ کہ دھرم میں
تیرے سوا بھی، ہم پہ بہت سے ستم ہوئے
لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں
ہرچند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

انتخاب غالب

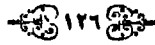
نالے، عدم میں، چند ہمارے سپرد تھے
جو واں نہ کھج سکے، سو وہ یاں آکر دم ہوئے

—۱۲۵—

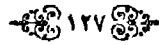
دیکھنا قسمت، کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اُسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے؟
غیر کو، یارب! وہ کیونکر منع گستاخی کرے؟
گر حیا بھی اُس کو آتی ہے، تو شرما جائے ہے
شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے!
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے!
دور چشمِ بد تری بزمِ طرب سے! واہ، واہ!!
نغمہ ہو جاتا ہے، واں گر نالہ میرا جائے ہے
اُسکی بزمِ آرائیاں سنکر، دلِ رنجور، یاں
مثلِ نقشِ مدعایِ غیر، بیٹھا جائے ہے
ہو کے عاشق، وہ پریرخ اور نازکِ بنگیا
رنگ کھلتا جائے ہے، جتنا کہ اڑتا جائے ہے

انتخاب غالب

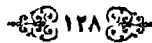
نقش کو اُسکے ، مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں !
کھینچتا ہے جسقدر ، اُتنا ہی کھچتا جائے ہے



اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ ، غالب
ہم یاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے



سادگی پر اُسکی ، مرجانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا ؛ کہ پھر خنجر کفر قاتل میں ہے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے !
گرچہ ہے کس کس برائی سے ؛ ولے با این ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے



دل سے ، تری نگاہ ، جگر تک اُتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

انتخاب غالب

شق ہو گیا ہے سینہ : خوشا لذتِ فراغ !
 تکلیفِ پردہ داری، زخمِ جگر گئی
 اڑتی پھرے ہے خاکِ مری، کوی یار میں
 بارے اب، اے ہوا ! ہوسِ بال و پر گئی
 نظارہ نے بھی کام کیا، واں، نقاب کا
 مستی سے، ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی
 فردا ودی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا
 کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

—وقف ۱۲۹—

اپنی گلی میں جھکو نہ کر دفن، بعدِ قتل
 میرے پتے سے، خلق کو کیوں تیرا گھر ملے؟
 ساقی گری کی شرم کرو آج؛ ورنہ ہم
 ہر شب پیاہی کرتے ہیں مے، جسقدر ملے
 لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
 جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

انتخاب غالب

—۱۲۰—

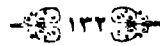
کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی میں، ہم نے ٹھانی اور ہے
آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں؟
سوزِ غمہای نہانی اور ہے
دیکھ خط، منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے!
قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم
وہ بلای آسمانی اور ہے!
ہو چکیں، غالب، بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

—۱۲۱—

کوئی امید بر نہیں آتی!
کوئی صورت نظر نہیں آتی!

انتخاب غالب

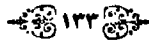
موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی؟
آگے، آتی تھی، حالِ دل پہ ہنسی
اب، کسی بات پر نہیں آتی!
جاتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد؛
پر طبیعت ادھر نہیں آتی!
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں؛
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی؟
ہم وہاں ہیں، جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی!
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی:
موت آتی ہے، پر نہیں آتی



جو نہ، نقدِ داغِ دل کی، کرے شعلہ پاسبانی
تو فسرِ دگی نہاں ہے بہ کمینِ یزبانی

انتخاب طالب

مجھے اُس سے کیا توقع بزمانہ جوانی ،
 کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی ؟
 یوں ہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ؛ ورنہ کہتا
 کہ " مرے عدو کو ، یارب ، ملے میری زندگانی " ،

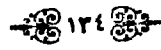


ق

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائِ دل !
 زہارا اگر تمہیں ہوسِ نای و نوش ہے
 دیکھو مجھے ، جو دیدہٴ عبرت نگاہ ہوا
 میری سنو ، جو گوشِ نصیحتِ نیوش ہے !
 ساقی ، بجلوہ ، دشمنِ ایمان و آگہی
 مطرب ، بہ نغمہ ، رہزنِ تمکین و ہوش ہے
 یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہٴ بساط
 دامنِ باغبان و کفِ گل فروش ہے ؛
 لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدایِ چنگ
 یہ جنتِ نگاہ ، وہ فردوسِ گوش ہے

انتخاب غالب

یا صبحدم جو دیکھنے آ کر، تو بزم میر
نے وہ سرور و سُور، نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوڈ
اک شمع رہ گئی ہے، سو وہ بھی خاموش ہے



آ، کہ مری جان کو قرار نہیں ہے !
طاقتِ یدادِ انتظار نہیں ہے !
دیتے ہیں جنت، حیاتِ دھر کے بدلے:
نشہ باندازہِ خمار نہیں ہے
گریہ نکالے ہے تری بزم سے جھکو
ہائے، کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے !
قل کا میرے، کیا ہے عہد تو، بارے
وائے ! اگر عہد استوار نہیں ہے
تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے، غالب؟
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

انتخابِ غالب

-۱۳۵-

ہجومِ غم سے، یاں تک سرنگونی مجکو حاصل ہے
کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

-۱۳۶-

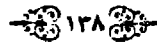
ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت، کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

-۱۳۷-

جس بزم میں، تو ناز سے گفتار میں آوے
جاں، کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے
سایہ کی طرح، ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تو، اس قدِ دلکش سے، جو گلزار میں آوے
اُس چشمِ فسونگر کا اگر پائے اشارہ
طوطی کی طرح، آئنے گفتار میں آوے
مرجاؤں نہ کیوں رشک سے؟ جب وہ تر نازک
آغوشِ خمِ حلقہ زنار میں آوے

انتخاب غالب

تب چاکِ گریباں کا مزا ہے ، دلِ نالاں !
جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے



حسنِ مہ گرچہ ، بہ ہنگامِ کمال ، اچھا ہے
اُس سے میرا مہِ خرشیدِ جمال اچھا ہے
بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ :
جی میں کہتے ہیں کہ "مفت آئے، تو مال اچھا ہے،
اور بازار سے لے آئے، اگر ٹوٹ گیا :
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے
اُنکے دیکھے سے، جو آ جاتی ہے منہ پر روتق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے !
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت : لیکن
دلکے خوش رکھنے کو، غالب، یہ خیال اچھا ہے

انتخاب غالب

—۱۳۹—

نہوئی گر مرے مرنے سے تسلی، نہ سہی
امتحان اور بھی باقی ہو، تو یہ بھی نہ سہی
تم پرستاں! خمِ میمنہ سے لگائے ہی بنے
ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی، نہ سہی

—۱۴۰—

عجب نشاط سے، جلاد کے، چلے ہیں ہم، آگے
کہ اپنے سایہ سے، سر، پانو سے ہر دو قدم آگے!
قضا نے تھا مجھے چاہا خرابِ بادۂ الفت
فقط خراب لکھا، بس نہ چل سکا قلم آگے
خدا کی واسطے! داد اس جنونِ شوق کی دینا
کہ اُسکے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے
قسم جنازہ پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں، غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم، آگے!

انتخاب غالب

صفحہ ۱۴۱

شکوہ کے نام سے ، سیمبر خفا ہوتا ہے
 یہ بھی مت کہہ : کہ جو کیسے ، تو گلا ہوتا ہے
 پُرہوں میں شکوہ سے یوں ، راگ سے جسے باجا
 اک ذرا چھیرنے ، پھر دیکھئے ، کیا ہوتا ہے ؟
 کیوں نہ تمہریں ہدفِ ناوکِ یداد : کہ ہم
 آپ اُنہا لاتے ہیں ، گر تیر خطا ہوتا ہے ؟
 خوب تھا ، پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ :
 کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے
 نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا ، اور اب
 لب تک آتا ہے ، جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

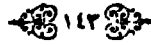
صفحہ ۱۴۲

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ " تو کیا ہے ؟ "،
 تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

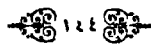
انتخابِ غالب

نہ شعلہ میں یہ کرشمہ ، نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخِ تندخو کیا ہے ؟
چمک رہا ہے ، بدن پر لہو سے ، پیراہن
ہمارے جیب کو، اب حاجتِ رفو کیا ہے ؟
جلا ہے جسم جہاں ، دل بھی جل گیا ہوگا
کریڈتے ہو جو اب راکھ ، جستجو کیا ہے ؟
رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قابل
جب آنکھ سے ہی نہ ٹپکا، تو پھر لہو کیا ہے !
وہ چیز، جس کیلئے ہم کو ہو بہشتِ عزیز
سوائے بادۂ گلفامِ مشکبو ، کیا ہے ؟
پیوں شراب ، اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے ؟
رہی نہ طاقتِ گفتار ، اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے ؟

انتخاب غالب

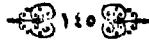


میں اُنہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں !
چل نکلتے ، جو مے پئے ہوئے
قہر ہو ، یا بلا ہو : جو کچھ ہو
کاشکے ! تم مرے لئے ہوئے !
میری قسمت میں ، غم گراتا تھا
دل بھی ، یارب کئی دئے ہوئے !
آہی جاتا وہ راہ پر . غالب
کوئی دن اور بھی جئے ہوئے !

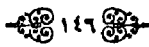


خط لکھیں گے ، گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں ، تمہارے نام کے
عشق نے ، غالب ، نکتا کر دیا ؛
ورنہ ، ہم بھی آدمی تھے کام کے

انتخاب غالب



پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہوئے مہر و مہ تماشاۓ
دیکھو، اے ساکنانِ خطہ خاں !
اسکو کہتے ہیں عالم آرائی :
کہ زمین ہو گئی ہے ، سرتاسر
روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روی آب پر کائی



تغافل دوست ہوں ، میرا دماغِ عجزِ عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجے، تو جا میری بھی خالی ہے
رہا آباد عالم ، اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جسقدر جام و سبو ، میخانہ خالی ہے

انتخاب غالب

۱۴۷

خلشِ غمزہ خونریز نہ پوچھ
دیکھ خونابہ فشانی میری !
کیا یاں کر کے مرا، روئیں گے یار؟
مگر آشفہ یانی میری
مقابلِ ھ، مقابلِ میرا
رک گیا، دیکھ روانی میری
دَھن اُس کا جو نہ معلوم ہوا
کُھل گئی ہیچمدانی میری

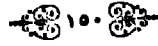
۱۴۸

از بسکہ، سکھاتا ھ غم ضبط کے اندازے
جو داغ نظر آیا، اک چشم نمائی ھ

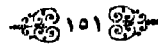
۱۴۹

اچھا ھ سرانگشتِ خانی کا تصور
دل میں نظر آتی تو ھ، اک بوند لہو کی !

انتخاب غالب



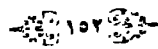
چاہنے اچھوں کو ، جتنا چاہنے
یہ اگر چاہیں ، تو پھر کیا چاہنے !
چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل ؟
بارے ، اب اس سے بھی سمجھا چاہنے
دوستی کا پردہ ہے ، یگانگی
منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہنے
دشمنی نے میری کھویا غیر کو
کسقدر دشمن ہے ، دیکھا چاہنے !
منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اُس کی دیکھا چاہنے



ہر قدم ، دوریہ منزل ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے ، یاباں مجھ سے

انتخابِ غالب

وحشتِ آتشِ دل سے ، شبِ تنہائی میں
 صورتِ دود ، رہا سایہ گریزاں مجھ سے
 شوقِ دیدار میں ، گر تو مجھے گردن مارے
 ہو ننگ ، مثلِ گلِ شمع ، پریشاں مجھ سے
 یکسیہای شبِ ہجر کی وحشت ، ہے ، ہے !!
 سایہ ، خرسیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے



نکٹہ چیں ہے : غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے
 کیا بنے بات ، جہاں بات بنائے نہ بنے ؟
 میں بلاتا تو ہوں اُس کو ، مگر اے جذبہٴ دل !
 اُس پہ بنجانے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
 کھیل سمجھا ہے : کہیں چھوڑ ندے ، بھول نجانے :
 کاش ! یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
 غیر پھرتا ہے . لیے یوں ترے خط کو ، کہ اگر
 کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے ، تو چھپائے نہ بنے

انتخاب غالب

اس نزاکت کا برا ہوا وہ بھلے ہیں تو کیا؟
ہاتھ آویں، تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
کہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے؟
پردہ چھوڑا ہے وہ، اُس نے، کہ اٹھائے نہ بنے

—۱۵۳—

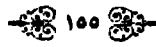
چاک کی خواہش، اگر وحشت بے ریائی کرے
صبح کی مانند، زخمِ دل گریانی کرے
خطِ عارض سے لکھا ہے، زلف کو الفت نے، عہد
یک قلم منظور ہے، جو کچھ پریشانی کرے

—۱۵۴—

وہ آکے خواب میں، تسکینِ اضطراب تو دے؛
ولے مجھے، تپشِ دل بجالِ خواب تو دے
کرے ھ قتل، لگاؤ میں تیرا رو دینا!
تری طرح، کوئی تیغِ ننگہ کو آب تو دے!

انتخاب غالب

دکھا کے جنبش لب ہی ، تمام کرم کو
ندے جو بوسہ ، تو منہ سے کہیں جواب تو دے
پلا دے اوک سے ، ساقی ، جو ہم سے نفرت ہے :
پیالہ گر نہیں دیتا ، ندے ، شراب تو دے !



تپش سے میری ، وقف کشمکش ہر تارِ بستر ہے
مرا سر رنجِ بالیں ہے ، مرا تن بارِ بستر ہے
سرشکِ سر بھرا دادہ ، نور العینِ دامن ہے
دلِ یدست و پا افتادہ ، برخوردارِ بستر ہے
خوشا اقبالِ رنجوری ! عیادت کو تم آئے ہو :
فروغِ شمعِ بالیں ، طالعِ یدارِ بستر ہے
بطوفانگاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی ،
شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر ، تارِ بستر ہے
ابھی آتی ہے بو ، بالش سے ، اُسکی زلفِ مشکین کی
ہماری دید کو ، خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے !

انتخابِ غالب

کہوں کیا، دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں، غالب؟
کہ بیتابی سے، ہر آنکھ تارِ بسترِ خارِ بستر ہے

-۱۵۶-

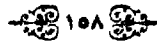
سمجھ اس فصل میں کوتاہی۔ نشوونما، غالب
اگر گل، سرو کچھ قامت پہ، پیرا ہن نہ ہو جاوے

-۱۵۷-

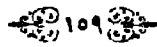
فریاد کی کوئی لے نہیں ہے:
نالہ پابند نے نہیں ہے
ہر چند، ہر ایک شے میں تو ہے:
پر تجھ سے کوئی شے نہیں ہے
ہاں! کھائیو مت فریبِ ہستی:
ہر چند، کہیں کہ ”ہے“، نہیں ہے
کیوں ردِ قدح کرے ہے، زاہد؟
مے ہے: یہ مگس کی قے نہیں ہے

انتخابِ غالب

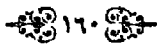
ہستی ہے، نہ کچھ عدم ہے، غالب
آخر تو کیا ہے؟ آئے نہیں، ہے!



نہ پوچھ نسخۂ مرہم، جراحتِ دل کا
کہ اُس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے
بہت دنوں میں، تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ، کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے



ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے:
مرتے ہیں: ولے اُن کی تمنا نہیں کرتے



کیوں نہو چشمِ بتاں نحوِ تغافل، کیوں نہو؟
یعنی اس بیمار کو نظارہ سے پرہیز ہے
مرتے مرتے، دیکھنے کی آرزو رہ جانگی
وائے ناکامی! کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے

انتخاب غالب

—۱۶۱—

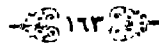
دیا ہے دل اگر اُس کو، بشر ہے، کیا کہیے؟
ہوا رقیب، تو ہو، نامہ بر ہے، کیا کہیے؟
یہ ضد کہ آج نہ آوے اور آئے بن نہ رہے
قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے، کیا کہیے؟
زہ کرشمہ! کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بن کہے بھی اُنہیں سب خبر ہے، کیا کہیے؟
سمجھ کے کرتے ہیں، بازار میں وہ، پرسشِ حال
کہ یہ کہے کہ "سِر رہ گزر ہے، کیا کہیے؟"
اُنہیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے، کیوں لڑیے؟
ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے، کیا کہیے؟

—۱۶۲—

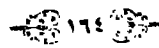
دیکھ کر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے،
کر گئی وابستہ تن، میری عریانی مجھے

انتخاب غالب

کیوں نہو بے التفاتی؟ اُس کی خاطر جمع ہے
جاتا ہے محوِ پرسشہای پنهانی مجھے!
میرے غمخاں کی قسمت جب رقم ہونے لگی
لکھ دیا منجملہ اسبابِ ویرانی مجھے!
وعدہ آنے کا وفا کیجے: یہ کیا انداز ہے؟
تم نے کیوں سوئی ہے، میرے گھر کی درباری، مجھے؟



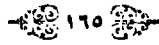
یاد ہے، شادی میں بھی ہنگامہ دیا رب، مجھے
سُبْحَہ زاهد ہوا ہے . خندہ زیرِ لب مجھے



قد و گیسو میں قیس و کوہ کن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں، وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے
کریں گے کوہ کن کے حوصلے کا امتحاں آخر
ہنوز، اُس خستہ کے نیروی تن کی آزمائش ہے

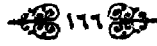
انتخاب غالب

وہ آیا بزم میں؛ دیکھو، نہ کہیو پھر کہ 'غافل' تھے،
شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمائش ہے
رگ و پے میں جب اترے زہرِ غم، تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیء کام و دھن کی آزمائش ہے

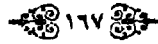


کبھی، نیکی بھی اُس کے جی میں گر آجائے ہے، مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد، شرما جائے ہے مجھ سے
خدایا! جذبہٴ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے؛
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھ سے؟
تکلف بر طرف! نظارگی میں بھی سہی؛ لیکن
وہ دیکھا جائے، کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے؟
قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر، غالب!
وہ کافر، جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے!

انتخابِ غالب



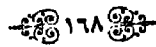
لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے
میرا ذمہ ، دیکھ کر کوئی بتلا دے مجھے
یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
زلف گر بنجاؤں ، تو شانے میں اُلجھا دے مجھے



بازیچہ اطفال ہے دنیا ، مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا ، مرے آگے
اک کھیل ہے اورنگِ سلیمان ، مرے نزدیک :
اک بات ہے اعجازِ مسیحا ، مرے آگے
جز نام ، نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم ، نہیں ہستیِ اشیا ، مرے آگے
ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا ، مرے ہوتے
گہستا ہے جبینِ خاک پہ دریا ، مرے آگے

انتخاب غالب

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے!
ایمان مجھے روکے ہے، تو کہینچے مجھے کفر:
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے!
عاشق ہوں، پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو برا کہتی ہے لیلہ، مرے آگے
خوش ہوتے ہیں، پروصل میں یوں مرنے جاتے!
آئی شبِ ہجراں کی تمنا، مرے آگے
ہے موجزن ایک قلزمِ خون: کاش! یہی ہو
آتا ہے ابھی، دیکھیے، کیا کیا، مرے آگے؟
گوہا تھ کو جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے!



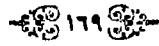
کہوں جو حال، تو کہتے ہو، » مدعا کہیے،
تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے؟

انتخابِ غالب

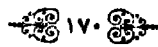
نہ کیو طعن سے پھر تم کہ دم ستمگر ہیں،
 مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے،
 نہیں ذریعہ راحت، جراحتِ پیکاں
 وہ زخمِ تیغ ہے، جس کو کہ دلکشا کہیے
 جو مدعی بنے، اُس کے نہ مدعی بنیے
 جو ناسزا کہے، اُس کو نہ ناسزا کہیے
 کہیں، حقیقتِ جانکامی، مرض لکھیے
 کہیں، مصیبتِ ناسازی، دوا کہیے
 کبھی، شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجے
 کبھی، حکایتِ صبرِ گریزا کہیے
 رہے نہ جان، تو قاتل کو خوں بہا دیجے
 کٹے زبان، تو خنجر کو مرجھا، کہیے
 نہیں نگار کو الفت؛ نہو، نگار تو ہے:
 روانہ روش و مستی ادا کہیے

انتخاب غالب

نہیں بہار کو فرصت ؛ نہو، بہار تو ہے :
طراوتِ چمن و خوبیہ ہوا کہیے
سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا، غالب
خدا سے، کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے ؟



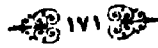
رونے سے، اور عشق میں پیاک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے !
صرف بہا ہی مے ہوئے، آلاتِ میکشی
تھے یہ ہی دو حساب، سویوں پاک ہو گئے
کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا، ہم، کلا
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے !



عرضِ نازِ شوخی۔ دندان، برای خندہ ہے
دعویٰ جمعیتِ احباب، جای خندہ ہے

انتخاب غالب

شورشِ باطن کے ہیں احباب منکر؛ ورنہ یاں
دل محیطِ گریہ و لب آشنای خندہ ہے



جب تک دھانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی
افسردگی ، نہیں طرب انشای التفات
ہاں ! دردِ بیکے ، دل میں مگر جا کرے کوئی
چاکِ جگر سے ، جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی ؟
ناکامی . نگاہ ، ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
سربر ہوئی نہ وعدہ صبر آزما سے ، عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی ؟
بیکاری . جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں ، تو پھر کیا کرے کوئی

انتخابِ غالب



ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی؟

چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی!

بات پر واں زبان کشتی ھے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

بلک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے، خدا کرے! کوئی

کیا کیا خضر نے سکندر سے!
اب کسے رہنا کرے کوئی؟

انتخاب غالب

— ۱۷۳ —

تمہاری طرز و روش ، جاتے ہیں ہم ، کیا ہے ؟
رقیب پر ہے اگر لطف ، تو ستم کیا ہے ؟
سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقین ہے ہم کو بھی ، لیکن اب اُس میں دم کیا ہے

— ۱۷۴ —

باغ ، پا کر خفقانی ، یہ ڈراتا ہے مجھے :
سایۂ شاخ گل ، افعی نظر آتا ہے مجھے
زندگی میں تو وہ محفل سے اُٹھا دیتے تھے
دیکھوں ، اب مر گئے پر ، کون اٹھاتا ہے مجھے ؟

— ۱۷۵ —

بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستان کے ہم ؛ ولے
کیوں کر نہ کھائیے ، کہ ہوا ہے بہار کی ؟

انتخاب غالب

—۱۷۶—

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے !
بہت نکلے مرے ارمان ، لیکن پھر بھی کم نکلے !
ڈرے کیوں میرا قاتل ؟ کیا رہیگا اُسکی گردن پر
وہ خوں ، جو چشمِ تر سے ، عمر بھریوں دمبدم نکلے ؟
نکلنا خلد سے آدم کا سیتے آئے ہیں ؛ لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ، ترے کوچے سے ہم نکلے !
بھرم کُھل جائے ، ظالم ، تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے
مگر لکھوائے کوئی اُس کو خط ، تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے ، کان پر رکھ کر قلم ، نکلے
ہوئی ، اس دور میں ، منسوب مجھ سے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ ، جو جہاں میں جامِ جم نکلے
ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغِ ستم نکلے

انتخاب غالب

محبت میں ، نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں ، جس کا فریبہ دم نکلے !
کہاں میخانہ کا دروازہ ، غالب ، اور کہاں واعظ !
پر اتنا جاتے ہیں ، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

— ۱۷۷ —

جز زخمِ تیغِ ناز ، نہیں دل میں آرزو
جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے جاگ ہے

— ۱۷۸ —

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت ، کشتہ لعلِ بتاں کا خوابِ سنگیں ، ہے !

— ۱۷۹ —

آمدِ سیلابِ طوفانِ صدای آب ہے
نقشِ پا جو ، کان میں رکھتا ہے انگلی ، جادہ سے

انتخاب غالب

—۱۸۰—

ہوں میں بھی تماشائیِ نیرنگِ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برآوے

—۱۸۱—

سیاہی جیسے گر جاوے دمِ تحریر کاغذ پر
مری قسمت میں ، یوں تصویر ہے شبہایِ ہجراں کی

—۱۸۲—

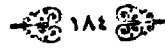
دل و دیں نقد لا ، ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ، ساغرِ متاعِ دست گردان ہے
غم ، آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
چراغِ روشن اپنا ، قلمِ صرصر کا مرجاں ہے

—۱۸۳—

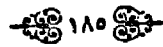
دل مدعی و دیدہ بنا مدعی علیہ
نظارہ کا مقدمہ ، پھر ، روبکار ہے

انتخاب غالب

پچ آپڑی ہے وعدہ دلدار کی، مجھے
وہ آئے یا نہ آئے، یہ یاں انتظار ہے
غفلت کھیلِ عمر و اسدِ ضامنِ نشاط
اے مرگِ ناگہاں، تجھے کیا انتظار ہے؟



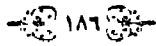
آئینہ کیوں ندوں کہ تماشا کہیں جسے؟
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجسا کہیں جسے؟
غالب، برا نمان، جو واعظِ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے؟



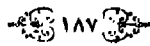
شعلے سے نہوتی، ہوسِ شعلہ نے جو کی
جی، کس قدر افسردگیءِ دل پہ جلا ہے؟
اے پرتوِ خورشیدِ جہاتاب، ادھر بھی!
سایہ کی طرح، ہم پہ عجب وقت پڑا ہے!

انتخاب غالب

نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب ، اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے !



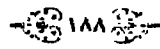
اے خوں چکاں کفن میں کڑوڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ ، تیرے شہیدوں پہ ، حور کی
واعظ ، نہ تم پیو ، نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی !
گو واں نہیں ، پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبہ سے ، ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی
کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب ؟
آؤ نہ ، ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی !



غم کھانے میں بودا ، دلِ ناکام ، بہت ہے
یہ رنج ، کہ کم ہے تمی۔ گلفام ، بہت ہے

انتخاب غالب

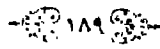
کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ؛ ورنہ
ہے یوں کہ مجھے 'دردِ تہِ جامِ بہت' ہے
زمزم ہی پہ چھوڑو ؛ مجھے کیا طوفِ حرم سے ؟
آلودہ بہ مے ، جامۂ احرام ، بہت ہے
ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نجانے ؟
شاعر تو وہ اچھا ہے ، پہ بدنام بہت ہے



مدت ہوئی ہے ، یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے ، بزمِ چراغاں کیے ہوئے
کرتا ہوں جمع ، پھر ، جگرِ لختِ لخت کو
عرصہ ہوا ہے ، دعوتِ مژگاں کیے ہوئے
مانگے ہے ، پھر ، کسی کو لبِ بام پر ، ہوس
زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے
چاہے ہے ، پھر ، کسی کو مقابل میں ، آرزو
سرمہ سے ، تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

انتخابِ غالب

اے نوبہارِ ناز کو تا کے ہے ، پھر ، نگاہ
چہرہ ، فروغِ مے سے ، گلستاں کیے ہوئے
پھر ، جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سرِ زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے
غالب ، ہمیں بچھیرا : کہ پھر ، جوشِ اشک سے ،
بیٹھے ہیں ہم ، تہتہ طوفان کے ہوئے



نوبیدِ امن ہے ، یدادِ دوست ، جاں کیلئے !
رہی نہ طرزِ ستم کوئی ، آسماں کیلئے
بلا سے ، گر مژہ یار تشنہ خون ہے !
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خون فشاں کیلئے
وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق ، اے خضر !
نہ تم ، کہ چور بنے عمرِ جاوداں کیلئے
مثال یہ مری کوشش کی ہے : کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس ، آشیاں کیلئے

انتخابِ غالب

گدا سمجھ کے ، وہ چپ تھا ؛ مری جو شامت آئے
اُنھا اور اُنھ کے قدم ، میں نے ، پاسباں کے ، لیے
ادای خاص سے ، غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلای عام ہے ، یارانِ نکتہ دان کیلئے



انتخابِ غالب

قصائد

سازِ يكِ ذره نہیں، فیضِ چمن سے، یكار
سایہ لالہ یداغ، سويدایِ بہار
سبز ہے، جامِ زمرد کی طرح، داغِ پلنگ
تازہ ہے، ریشہ نارنجِ صفت، روی شرار
کاٹ کر پھینکیے ناخن، تو باندازِ ہلال
قوتِ نامیہ اُسکو بھی نچھوڑے یكار
لعل سی، کی ہے، پیہ زمزمہ مدحتِ شاہ
طوطی۔ سبزہ کہسار نے پیدا منقار
وہ شہنشاہ، کہ جسکی، پیہ تعمیرِ سرا
چشمِ جبریل، ہوئی قالبِ خشتِ دیوار
فلکِ العرش، هجومِ خمِ دوشِ مزدور
رشتہ فیضِ ازل، سازِ طنابِ معمار
واں کی خاشاک سے حاصل ہو جسے يكِ پرکاہ
وہ رہے مِروحۂ بالِ پری سے یزار

انتخاب غالب



دھر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے، اگر حسن نہوتا خود ہیں؟

یدلیہای تماشا! کہ نہ عبرت ہے، نہ ذوق
یکسیہای تمنا! کہ نہ دنیا ہے، نہ دیں

ہرزہ ہے، نغمۂ زیروہم ہستی و عدم
لغو ہے، آئنے فرق جنون و تمکین

مثلِ مضمونِ وفا . باد بدستِ تسلیم !
صورتِ نقشِ قدم ، خاکِ بفرقِ تمکین !

کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز؟
کس نے پایا اثرِ نالۂ دہلای حزیر؟

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں ؛ لیکن
نہ سر و برگِ ستایش ، نہ دماغِ نفیر

انتخابِ غالب



ہاں ، مہِ نو ، سنیں ہم اُسکا نام
جس کو تو، جھک کے، کر رہا ہے سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام
بارے ، دو دن کہاں رہا غایب؟
بندہ عاجز ہے ، گردشِ ایام
اُڑ کے جاتا کہاں؟ کہ تاروں کا
آسماں نے بچھا رکھا تھا، دام
مرجا اے سرورِ خاصِ خواص
حَبَّذَا اے نشاطِ عامِ عوام
عذر میں، تین دن نہ آنے کے
لیکے آیا ہے عید کا پیغام
ایک میں کیا، کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام

انتخابِ غالب

جاتا ہوں کہ آج دنیا میں
ایک ہی ہے امیدگارِ انام
میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
غالب اُسکا مگر نہیں ہے غلام؟
جاتا ہوں کہ جاتا ہے تو
تب کہا ہے بطرزِ استفہام
مہرِ تاباں کو ہو، تو ہو، اے ماہ
قربِ ہر روزہ بر سیدِ دوام
تجکو کیا پایہ روشناسی کا
جز بتقریبِ عیدِ ماہِ صیام؟
جاتا ہوں کہ اُسکے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام
ماہِ بن، ماہتابِ بن، میں کون؟
مجکو کیا بانٹ دیگا تو انعام؟

انتخاب غالب

میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام؟
ہے مجھے آرزوی بخششِ خاص
گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام
جو کہ بخشے گا تجھ کو فترِ فروغ
کیا نہ دیگا مجھے میہِ کلفام؟
جب کہ چودہ منازلِ فلکی
کر چکے قطع، تیری تیزیِ کام
تیرے پرتو سے ہوں فروغِ پزیر
کوی و مشکوی و سخن و منظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ میں، لبریز
اپنی صورت کا اک بلوریں جام
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا
توسنِ طبع چاہتا تھا لکام

انتخابِ غالب

غزل
زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام
تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام؟

مے ہی . پھر، کیوں نہ میں پیے جاؤں
غم سے جب ہو گئی ہوزیست حرام؟

بوسہ کیسا؟ یہی غنیمت ہے
کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے
کیوں رکھوں، ورنہ، غالب اپنا نام؟

کہ چکا میں تو سب کچھ، اب تو کہ
اے پرِ بچہ پیکِ تیز خرام

کون ہے؟ جس کے در پہ ناصیہ سا
ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام

تو نہیں جانتا، تو مجھ سے سن
نام۔ شاہنشہِ بلند مقام

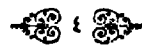
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ
 مظہرِ ذو الجلالِ و الاکرام
 شہسوارِ طریقۂ انصاف
 نوبہارِ حدیقۂ اسلام
 جسکا ہر فعل ، صورتِ اعجاز
 جسکا ہر قول ، معنیٰ الہام
 بزمِ میں ، میزبانِ قیصر و جم
 رزمِ میں ، اوستادِ رستم و سام
 اے ترا لطف زندگی افزا !
 اے ترا عہد فرخی فرجام
 چشمِ بد دور ! خسروانہ شکوہ
 کوحشِ اللہ ! عارفانہ کلام
 جاں تاروں میں تیرے ، قیصرِ روم
 جرعہ خواروں میں تیرے ، مرشدِ جام

ق
 مرجبا ا موشگافہ ناؤك
 آفریں ا آبداری صمصام
 تیر کو تیرے ، تیرِ غیرِ هدف
 تیغ کو تیری ، تیغِ خصمِ نیام
 ق
 رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند ؟
 برق کو دیرھا ہے کیا الزام ؟
 تیرے فیلد گراں جسد کی صدا
 تیرے رخسِ سبکِ عنان کا خرام
 ق
 فنِ صورتگری میں تیرا گرز
 گر نہ رکھتا ہو دستگاہِ تمام
 اُس کے مضروب کے سروتن سے
 کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام ؟

 جب ازل میں رقم پزیر ہوئے
 صفحہ ہای لیالی و ایام

انتخابِ طالب

اور اُن اوراق میں ، بہ کَلکِ قضا
 بجملاً مندرج ہوئے ، احکام
 تیری توقیع سلطنت کو بھی
 دی ، بدستور ، صورتِ ارقام
 کاتبِ حکم نے ، بموجبِ حکم
 اُس رقم کو دیا طرازِ دوام
 مے ازل سے روائیہ آغاز
 ہو ابد تک رسائیہ انجام !



صبحدم ، دروازہ خاور کھلا
 مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا
 خسروِ انجم کے آیا صرف میں
 شب کو تھا ، گنجینہ گوہر ، کھلا
 وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود
 صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا

تے میں کچھ

دیتے ہیں دھوکا ، یہ بازیگر ، کھلا

سطح گردوں پر پڑا تھا رات کو
موتیوں کا ، ہر طرف ، زیور کھلا

صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اک نگارِ آتشیں رخ ، سر کھلا

تھی نظربندی ؛ کیا جب ردِ سحر
بادۂ کلرنک کا ساغر کھلا

لا کے ساقی نے ، صبحی کیلے
رکھ دیا ہے ، ایک جامِ زر کھلا

بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و امان کا در کھلا

تاجِ زرین ، مہرِ تاباں سے سوا
خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا

انتخابِ غالب

شاہِ روشنِ دل ، بہادرشہ ، کہ ہے
رازِ ہستی ، اُس پہ سرتاسر کھلا
وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں
مقصدِ نہ چرخ و ہفت اختر کھلا
وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے
عقدہ احکامِ پیغمبر کھلا
مجھ پہ ، فیضِ تربیت سے شاہ کے
منصبِ مہر و مہ و محور کھلا
لاکھ عقدے دل میں تھے : لیکن ہر ایک
میری حذرِ وسع سے باہر کھلا
تھا دلِ وابستہ قفلِ بے کلید
کس نے کھولا؟ کب کھلا؟ کیونکر کھلا؟
باغِ معنی کی ، دکھا دوں گا ، بہار
مجھ سے ، گر شاہِ سخن گستر ، کھلا

انتخابِ غالب

ہو جہاں گرم غزلخوانیِ نفس
لوگ جانیں طلبۂ عنبر کھلا
غزل
کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا؟
کاشکے! ہوتا قفس کا در کھلا
ہم پکاریں اور کھلے: یوں کون جانے
یار کا دروازہ پاویں گر کھلا؟
مفت کا، کس کو برا ہے، بد رقعہ
رہروی میں پردۂ رہبر کھلا
سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک؟
آگ بھڑکی، مینہ اگر دم بھر کھلا
نامہ کیساتھ آ گیا پیغامِ مرگ
رہ گیا خط، میری چھاتی پر، کھلا
دیکھیو، غالب سے گر اُلجھا کوئی
ہے ولی پوشیدہ اور کافر، کھلا

نتخابِ غالب

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
پھر مہ و خُرشید کا دفتر کھلا

خامہ سے پانی طبعیت نے مدد
بادباں بھی، اُلٹھے ہی لنگر، کھلا

مدح سے مدوح کی دیکھی شکوہ
یاں عرض سے رتبہ جوہر کھلا

مہر کانپا، چرخ چکر کھا گیا
بادشہ کا رایتِ لشکر کھلا

بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب
اب 'علوِ پایۂ منبر کھلا

سکہ شہ کا، ہوا ہے، روشناس
اب عیارِ آبروی زر کھلا

ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے
اب فریبِ مُطغریل و سنجر کھلا

جاتا ہوں ، مے خطرِ لوحِ ازل
تم پہ ، اے خاقانِ نامِ آور ، کھلا
تم کرو صاحبِ قرانی ، جب تِلک
مے طلسمِ روز و شب کا در کھلا ۱۱

== مثنوی در صفت انہ ==

ہاں ، دلِ دردمندِ زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز؟
خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا
شاخِ گل کا مے گلفشاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا مے ، کیا لکھیے؟
نکتہ ہایِ خرد فرا لکھیے
بارے ، آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ ، نخلِ رُطبِ فشاں ہو جائے
آم کا کون مردِ میدان مے؟
نمر و شاخ ، گوی و چوکان مے

انتخاب غالب

تاك كے جی میں کیوں رہے ارماں؟
آئے ؛ یہ گوی اور یہ میدان !
آم کے آگے پیش جاوے خاک !
پھوڑتا ہے جلے پھولے ، تاك
نہ چلا جب کسی طرح مقدور
بادۂ ناب بن گیا ، انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے
مجھ سے پوچھو ؛ تمہیں خبر کیا ہے ؟
آم کے آگے نیشکر کیا ہے !
نہ گل اُس میں ، نہ شاخ و برگ ، نہ بار
جب خزاں آئے ، تب ہوا اُس کی بہار
اور دوڑائیے قیاس کہاں ؟
جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں ؟

انتخابِ ظلم

جان میں ہوتی گر یہ تیری
کوہکن ، باوجودِ غمگینی
جان دینے میں اُس کو یکتا جان ،
پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
کہ دواخانہ ازل میں مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام
شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام
یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے
باغبانوں نے باغِ جنت سے
انگیں کے ، بحکمِ ربِّ الناس
بھر کے بھیجے ہیں ، سرمہرِ گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات
مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات

انتخابِ طالب

تب ہوا ہے ثمرِ فشاں یہ نخل
ہم کہاں ، ورنہ ، اور کہاں یہ نخل !

تھا ترنجِ زر ایک خسرو پاس
رنگ کا زرد ، پر کہاں بوباس ؟

آم کو دیکھتا ، اگر اک بار
پھینک دیتا طلای دست افشار

روتنِ کارگاہِ برگ و نوا
نازشِ دودمانِ آب و هوا

رہروِ راہِ خلد کا توشہ
طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے ، آم
ناز پروردہ بہار ہے ، آم

خاص وہ آم ، جو نہ ارزاں ہو
نوبرِ نخلِ باغِ سلطان ہو

انتخابِ غالب

وہ کہ ہے والی ولایتِ عہد
عدل سے اُس کے ہے حمایتِ عہد
نخردیں ، عزِ شان و جاہِ جلال
زینتِ طینت و جمالِ کمال
کارفرمایِ دین و دولت و بخت
چہرہ آرایِ تاج و مسند و تخت
سایہ اُس کا ہما کا سایہ ہے
خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
اے مفیضِ وجودِ سایہ و نور
جبتک ہے نمودِ سایہ و نور
اس خداوندِ بندہ پرور کو
وارثِ گنج و تخت و افسر کو
شاد و دلشاد و شادماں رکھو
اور غالب پہ مہرباں رکھو

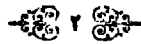
قطعات

اے شہنشاہِ فلکِ منظرِ ، بے مثل و نظیر
 اے جہاندارِ کرمِ شیوہ ، بے شبہ و عدیل
 پانو سے تیرے ملے فرقِ ارادت ، اورنگ
 فرق سے تیرے کرے کسبِ سعادت ، اکیل
 تیرا اندازِ سخن ، شانہ زلفِ الہام
 تیری رفتارِ قلم ، جنبشِ بالِ جبریل
 تجھ سے ، عالم پہ کھلا رابطہ قربِ کلم
 تجھ سے ، دنیا میں بچھا مائدہ بذلِ خلیل
 بسخن ، اوجِ دہِ مرتبہ معنی و لفظ
 بکرم ، داغِ نہِ ناصیہ قلم و نیل
 تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر
 تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل
 ماہ نے چھوڑ دیا ، ثور سے جانا باہر
 زہرہ نے ترک کیا ، حوت سے کرنا تحویل

تیری دانش، مری اصلاحِ مفسد کی رہین
 تیری بخشش، مرے انجامِ مقاصد کی کفیل
 تیرا اقبالِ ترحم، مرے جینے کی نوید
 تیرا اندازِ تغافل، مرے مرنے کی دلیل
 بختِ ناساز نے چاہا کہ ندے جھکو اماں
 جرخِ کج باز نے تاکا کہ کرے جھکو ذلیل
 بیچھے ڈالی ہے سرِ رشتہ اوقات میں کاٹھ
 بہلے ٹھونکی ہے بنِ ناخنِ تدبیر میں کیل
 تپشِ دل، نہیں ہے رابطہ خوفِ عظیم
 کششِ دم، نہیں ہے ضابطہ جرِ ثقیل
 دُرِ معنی سے مرا صفحہ، لقا کی داڑھی
 غمِ گیتی سے مرا سینہ، دَآمر، کی زنبیل
 فکرِ میری، گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر
 کلکِ میری، رقمِ آموزِ عباراتِ قلیل

انتخابِ غالب

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق ، توضیح
میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش ، تفصیل
نیک ہوتی مری حالت ، تو ندیتا تکلیف
جمع ہوتی مری خاطر ، تو نہ کرتا تعجیل
قبلۂ کون و مکاں ، خستہ نوازی میں یہ دیر !
کعبۂ امن و امان ، عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل !



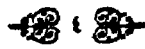
گئے وہ دن ، کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر ، ہم خاموش رہتے تھے
بس اب بکڑے پہ کیا شرمندگی ؟ جانے دو ، ملجاؤ
قسم لو ہم سے ، گریہ بھی کہیں : " کیوں ہم نہ کہتے تھے ؟ "



نہ پوچھہ اس کی حقیقت ، حضورِ والا نے
مجھے جو بھیجی ہے یسین کی روغنی روٹی

انتخابِ طالب

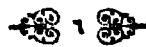
نہ کھاتے گیہوں ، نکلنے نہ خلد سے باہر
جو کھاتے حضرتِ آدمؑ یہ بیسنی روٹی



قسمت بری سہی ، پہ طبیعت بری نہیں
مے شکر کی جگہ ، کہ شکایت نہیں مجھے
صادق ہوں اپنے قول میں ، غالب ، خدا گواہ
کہتا ہوں سچ : کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے



افطارِ صوم کی کچھ ، اگر ، دستگاہ ہو
اُس شخص کو ضرور مے ، روزہ رکھا کرے
جس پاس ، روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہو
روزہ اگر نکھانے ، تو ناچار کیا کرے

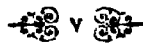


گرچہ از روی تنگِ بے ہنری
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار

انتخابِ غالب

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی
جاتا ہوں کہ آئے خاکِ کو عار
شاد ہوں، لیکن، اپنے جی میں، کہ ہوں
بادشہ کا غلامِ کار گزار
خانہ زاد اور مرید اور مداح
تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے، نوکر بھی ہو گیا، صد شکر!
نسبتیں ہو گئیں مُشَخَّص چار
میری تنخواہ جو مقرر ہے
اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے، مردہ کی چہماہی ایک
خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
جھکو دیکھو کہ ہوں بقیدِ حیات
اور چہماہی ہو سال میں دوبار

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
 اور رہتی ہے سود کی تکرار
 میری تنخواہ میں ، تہائی کا
 ہو گیا ہے شریک ، ساہوکار
 میری تنخواہ کیجے ماہ بماء
 تا نہو مجکو زندگی دشوار
 ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
 شاعری سے نہیں مجھے سروکار
 تم سلامت رہو ہزار برس
 ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار



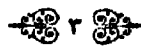
سیہ گلیم ہوں ؛ لازم ہے میرا نام نہ لے
 جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
 ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ ، مجھے
 کہ جو شریک ہو میرا ، شریکِ غالب ہے

رُبَاعِیَات

شب زلف و رخِ عرقِ فشان کا غم تھا
کیا شرح کروں ؟ کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبحِ تلك
ہر قطرۂ اشک ، دیدہ پر ہم تھا

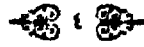


ہے خلقِ حسدِ قماش لڑنے کیلئے
وحشتِ کدۂ تلاش لڑنے کیلئے
یعنی : ہر بار صورتِ کاغذِ باد
ملنے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کیلئے

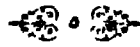


بھیجی ہے جو مج کو شاہِ جمجاہ نے دال
ہے لطف و عنایتِ شہنشاہ پہ دال
یہ شاہِ پسند دال ، بے بحث و جدال
ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

نصیبِ غالب



ہتے ہیں کہ وہ اب وہ مردم آزار نہیں
عشاق کی برش سے اُسے عار نہیں ،
جو ہاتھ کہ ظلم سے اُنھایا ہوگا ،
کیوں کر مانوں کہ اُس میں تلوار نہیں ؟



ہم گرچہ بنے سلام کرنیوالے
کرتے ہیں درنگ ، کام کرنیوالے
کہتے ہیں : کہیں خدا ہے ، ، اللہ ، اللہ !
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنیوالے



تمام شد

شرحِ غالب



غزلیات

(اس حصہ میں اشعار کے حوالہ کے لیے جو سندس اشعار کو گنو ہیں ، ان میں پہلو سو صفحہ اور دوسری سو شعر مراد ہے)

[۵: ۴] اشلوہ بھائی کے دوست ، بعد از خرابی بصرہ ، مستخر احوال شدہ باشد رنج آہنگ : (۴۱) . احوال ، کہ مطلق قدر بلکرای کو لکھو ہیں : . حال ، کی جگہ ، حالات ، یا ، احوال ، لکھنا قبیح نہیں ہے ، خصوصاً ، احوال ، کہ یہ یعنی ، واحد مستعمل ہے اور یہ اشعار یہاں تک پہنچا ہے کہ ، احوال ، یعنی ، جمع مستعمل نہیں ہوتا ؛ جیسو ، . حور ، کہ یعنی ، حورہ ، کی ، اہل فارس اس کو صیغہ واحد قرار دیکر ، الف نون کیاتھ اس کی جمع لائی ہیں میں نے ایک مقطع میں . . حال ، کی جگہ ، احوال ، لکھا ہے : جان غالب ! تاب گفتاری گمان داری هنوز ، آہ (خطوط : ۱۰۱ ، ۱۸۱) .

[۷: ۳] لایق معاملہ بیع و شرا ، در صورتی کہ کاتب با بیع و مشتری مکتوب الیہ باشد رنج آہنگ : (۴۴) .

[۸: ۳] اظہار نسبت ارادت بروش استفہام (ایضاً : ۴۱) .

[۸: ۵] طلب تحفہ بذریعہ بخشایش بر طمع عام (ایضاً) . آزرده کی نام کی خط میں قدری تغیر کیاتھ ، یہ شعر نقل کیا ہے . فرماتو ہیں : فلتہ حاجات ! اگر ابن بندہ اندک شنو ، بسیار گوی ، زود گستاخ ، دیر بشیان را حق بندگی نیست . از بجا کہ برین بی بضاعتی توان بخشود ؟ گیرم وفا ندارد اثر . آہ (ایضاً : ۱۲۳) .

[۹: ۱] نازش بر نسبت تعارف ، اگرچہ دوست غمخوار باشد (ایضاً : ۴۱) .

[۱۲: ۵] طاعت میں ، نا ، رھونہ می وانگیہ کی لاگن

دو ذمہ میں ڈال دو ، کوئی لیکر بہشت کو (انتخاب : ۲۳۶) .

[۱۷: ۴] بیان ناسودمندی کوشش در بارہ حصول مطلب (رنج آہنگ : ۵۰ و نیز ۲۴۰) .

[۲۱: ۵] ذریعہ این اندوہ ، کہ اگر ملامت بحساست ، قطع نظر از تحمین ہنر چراست (ایضاً : ۴۱) . (۴۵)

[۲۲: ۴] عذر گستاخی خواستن و قاعدہ ناشناسی . خود را شفیع جرات ساختن (ایضاً :

[۲۴: ۱] بیان کلفت ناسازی بخت و اندوہ پیش نیامدن دولت (ایضاً : ۴۲) .

[۱: ۲۶] دگل رہنا، کہ دیباچہ میں فرماتے ہیں: 'ہر گوشہ ساط لفظ، ریزہ چین و کاسہ لیس گزشتہ جادو بیانان، و ہر طرف بساط معنی، خواجہ تاش و ہم پیالہ آنانم۔ چہ اگر دیگران را، از خویشہ جود مبداء فیاض، لعل و گوہر بدامن طہرت میدهند، مرا نیز خرمہرہ چند در جیب و کنار اندیشہ می نهند۔ نگویم، تازہ دارم، آہ۔ (بیج آہنگ: ۵۷)۔

[۴: ۳۷] جور سی باز آئی، پر باز آئیں کیا؟

کہو ہیں: 'ہم تمہے کو منہ دکھلائیں کیا؟' (انتخاب: ۲۰۵)

کبھی، نیکی بھی اسکو جی میں، گر آجائو مجھسی

جفائیں کر کہ اپنی یاد، شرما جائو مجھسی (ایضاً: ۲۷۷)۔

[۵: ۳۳] شرح شدت بی برگ و توانی بروش خاص (بیج آہنگ: ۴۵)۔

[۲: ۳۴] مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں: 'سبحان اللہ! تم جانو ہو کہ میں اب دو مصرعوں موزون کرتی ہر قادر ہوں، جو مجھ سے مطلع مانگتے ہو۔ گمان زیست بود بر منت زبیدردی، آہ۔ (خطوط: ۹۱، ۹۰)۔ انہیں کو دوسری خط میں تحریر کیا ہو: 'میرا عجب حال ہو۔ حیران ہوں کہ تمہیں میرا کلام کیوں باور نہیں آتا؟ گمان زیست بود، آہ۔ سامعہ مر گیا تھا، اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا۔ جتنی قوتیں انسان میں ہوتی ہیں، سب مضحمل ہیں۔ حواس سراسر مختل ہیں۔ حافظہ گویا کبھی نہ تھا۔ شعر کہ فن سے گویا کبھی مناسبت نہ تھی، (ایضاً: ۹۶)۔ علاقہ کو خطوط میں بھی یہ شعر استعمال کیا ہو (اردو: ۴۱۶ و ۴۲۹)۔

[۳: ۳۴] اس غزل کو عنوان پر، میرزا صاحب نے اپنی قلم سے لکھا ہو: 'عاشق مونا مشوق کا، (انتخاب فارسی، خطوط، ق: ۸ ب)۔

[۲: ۳۶] ترجمہ دوست را نسبت بخویش از ساختگی گمان کردن (بیج آہنگ: ۴۲)۔

[۲: ۳۹] یہ شعر میرزا صاحب نے آخر عمر میں اکثر خطوط کو اندر درج کیا ہو۔ سرور کو لکھتے ہیں: 'کاش! وہ میری رنجوری کا حال کہتے، ضعف قوی واضمحلال کہتے؛ تاکہ میں ان کو کلام کی تصدیق کرتا، ان کی غمخواری اور درد مند نوازی کا دم بھرتا۔ ہو، ہو! درکشا کش ضعف نگلد، آہ۔ (اردو: ۱۴۷ و عود: ۴۱)۔ نواب انور اللہ بھادر، شفق، کو تحریر فرماتے ہیں: 'آپ کی پرسش کو کیوں نہ قربان جاؤں؟ کہ جب تک میرا مرنا نہ سنا، میری خبر نہ لی۔ میری مرگ کو خبر کی تقریر اور، مثلاً، میری یہ تحریر، آدھی سچ اور آدھی جھوٹ۔ در صورت مرگ، نیم مردہ اور در حالت حیات، نیم زندہ ہوں۔ درکشا کش ضعف، آہ۔ (ایضاً: ۲۹۶ و ایضاً: ۱۱۹)۔ قدر بلگرامی کو لکھا ہو: 'میں اب اچھا ہوں۔ برس دن صاحب فراش رہا ہوں۔ چھوٹی بڑی زخم بارہ اور ہر زخم خوں چکان۔ ایک درجن پھاؤ لگے جاؤ تھیں۔ جسم میں جتنا لہو تھا، پیپ ہو کر نکل گیا۔ تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہو، وہ کھا کر جیتا ہوں۔ کبھی کھاتا ہوں، کبھی پیتا ہوں۔ مرض کو آثار میں سو اب بھی یہ نشان موجود ہو کہ دونوں پانوں کی دو دو انگلیاں

شرح قالب - فارسی

بیوهی ہو گئی ہیں ، مہذا متورم ہیں . جو تا نہیں پہتا جاتا . ضعف کا نریان ہو می نہیں سکتا ، مگر حاب یہ میرا شعر : در کماکش ضعفم ، آہ (خطوط : ۱۰ ، ۱۹۵۰) .

[۳: ۴۰] خاطر دوست را ، بدور باش دوستانہ ، آزدن و بہ گستاخی و یسردی کار از پیش بردن (ہنج آہنگ : ۴۲) .

[۳: ۴۱] سزاوار مقامی کہ دوست پاسخ نامہ نگاشتنہ باشد وجواب اصل مدعا فروگذاشتہ باشد (ایضاً : ۴۳) .

[۵: ۴۱] پردہ کشائی راز افلاس بانداز عاشقانہ (ایضاً : ۴۵) .

[۵: ۴۳] دوست را ، نظر بہ پی گفتائی ، بہ یسد تشبیہ دادن و ازان نیز ترقی کردن (ایضاً : ۴۳) .

[۳: ۵۰] "داشتن" ، بمعنی رکھو کہ ہو ، لیکن اہل زبان بمعنی "ہا بستن" ، بھی استعمال کرتے ہیں ، ظہوری : گر اسیر زلف و کا کل گفتہ ہاشم خویش را
گفتہ ہاشم : این قدر بر خویش پیچیدن نہاشت

میری شعر میں پہل مصرع کا "داشت" ، بمعنی رکھو کہ اور دوسرے مصرع کا "داشت" ، بمعنی "ہا بست" ، ہو .

مفہوم شعر یہ کہ دوست ایسا جملہ ذہونثہا تھا کہ اس کو ذریعہ سو مجھ پر خفا ہو . چاہتا تھا کہ آزدہ ہو ، مگر سبب نہیں پاتا تھا . قضا را ، کچھ دنوں کو بعد ، رقیب سو معشوق کو ملال ہوا . میری جو شامت آؤ ، میں تو دوست سو پوچھا کہ "رقیب تو کیا گناہ کیا ، جو راتندہ دوگاہ ہوا ؟" معشوق اسی گستاخی کو بہانہ عتاب لپھرا کر ، آزدہ ہو گیا . اب شاعر افسوس کرتا ہو اور کہتا ہو : "ہای ! برسیدن نہاشت" . یعنی : پوچھنا نہ چاہی تھا (اردو : ۳۸۹ ، لاہوری ایڈیشن) .

[۱: ۵۱] بیان تنعم دوست و بی برگی . خود و طلب تفقد (ہنج آہنگ : ۴۳) .

[۱: ۵۵] کلیات فارسی کو دیباچی میں یہ شعر لکھکر فرماؤ ہیں : لای خم میخانہ سرمدی نسبت ناچنیدگان سگالند کہ ہیچمدائی را ابن مایہ سیرا بہ نطق از بجاست ؟ غافل کہ نم رخصت یک فیض است کہ سبزه را دیدن . و نہال را سرکشیدن . و میوہ را رسیدن ، و لب را زمزمہ آفریدن آموخت . (نولکنسور ایڈیشن ، طبع اول : ۴) .

[۲: ۵۷] بایستہ بمقامی کہ دوست اندوہ دوست را اندک ساختہ باشد (ہنج آہنگ : ۴۳) .

[۵: ۵۷] بیان قبۃ کلفت و اندوہ و ملال بعد سپری شدن روزگاری دراز در غم و درد (ایضاً : ۴۵) .

[۵: ۵۸] پیش آمدن کار مشکل بجای خطرناک (ایضاً : ۴۲) .

[۵: ۶۱] بیان این معنی کہ اندک آسائش و فراغ خاطر و صفای وقت اگر میسر آید ، تن برحمت جستجو نباید داد ، و بہ بند گرد آوردن مال نباید افتاد (ایضاً : ۴۳) .

شرح غالب - فارسی

- [۳: ۶۴] تعلیم تسلیم (بیچ آهنگ: ۴۳).
- [۴: ۶۶] در آزدگی، دوست خود را بملایه تعلق تسلیم دادن (ایضاً: ۴۶).
- [۵: ۶۷] شایسته بقای که این کس، بسبب طول زمان انتظار، از معاودت قاصد مایوس شده باشد (ایضاً).
- [۳: ۶۹] سزاوار بحال کسی که از تنم و تحول برآمده، در تلاش معاش افتاده باشد (ایضاً).
- [۶: ۷۰] «نامه غالب»، میں لکھتو ہیں: «اگر مجھے سو کوئی کہی کہ «غالب»، تیرا بھی مولد ہندوستان ہو»، میری طرف سے جواب یہ ہو کہ «ہندہ ہندی مولد و پارسی زبان ہو۔ ہرچہ از دستگاہ پارس بہ ینا بردند، آہ۔ زبانداۓ فارسی میری ازبہ دستگاہ اور بہ عطیہ خاص من جانب اللہ ہو» (عود: ۱۴۴)۔
- [۳: ۷۱] اس شعر کے متعلق شاکر کو لکھتو ہیں: «فقیر ہمیشہ مورد اعتراضات رہا ہو۔ لیکن اکثر ایسا ہوا ہو کہ بعد دو چار دن کی، معترض صاحب کا خط آیا ہو، لغت و ترکیب معترض فیه کی سند کی اشعار حضرت نے اس خط میں درج کی ہیں۔ اے اللہ! جو کلکتہ میں شور نشور اٹھا تھا، میرا شعر: جزوی از عالم و از مہ عالم ینم، آہ، خستہ جراحتهای اعتراض ہوا ہو۔ منشاء اعتراض یہ کہ عالم مفرد ہو، اس کا ربط مہ کی ساتھ بحسب اجتہاد قبیل ممنوع ہو۔ قصاً را، اس زمانہ میں شہزادہ کامران درانی کا سفیر گورنمنٹ میں آیا تھا، کدایت خان اس کا نام تھا، اس تک یہ قصہ پہنچا، اس نے اساتذہ کی اشعار پان سات ایسی پڑھی، جن میں «مہ عالم و مہ روز و مہ جا، مرقوم تھا، اور وہ اشعار «قاطع برہان، میں مندرج ہیں» (عود: ۱۷۸ و ۱۷۹)۔
- [۶: ۷۲] تسکین خاطر دوست، باظہار قرب زمان ہلاک خویش (بیچ آهنگ: ۴۳)۔
- [۴: ۷۴] آغاز جواب مکتوب، بشکر یادآوری بحسب (ایضاً)۔
- [۴: ۷۵] اختصار درد دل بہ وانمودن یک مثال (ایضاً: ۴۴)۔
- [۳: ۷۸] تباہی، خود را مقصود دوست دانستن و بدان شادمان بودن (ایضاً)۔
- [۲: ۷۹] از پاس ادب ستوہ آمدن و رخصت شکوہ طلبیدن (ایضاً: ۴۳)۔
- [۴: ۸۰] شعری کہ آغاز بیان شکایت بدان توان کرد (ایضاً: ۴۶)۔
- [۳: ۸۲] اظہار آمادہ بودن خویش بدعاۓ بد، یا تظلم و استغاثہ (ایضاً)۔
- [۵: ۸۲] انکار ظہور اعانت و اقرار حصول مدعا محض بسابقہ عنایت ازلی (ایضاً)۔
- [۵: ۸۴] در مقام این مثل کہ گوئی: «ہنوز روز اول است»، (ایضاً: ۴۵)۔
- [۱: ۸۶] بیان شدت غم (ایضاً: ۴۴)۔
- [۶: ۹۰] طلب تفقد باظہار عزم آوارگی، خویش (ایضاً: ۴۳)۔
- [۴: ۹۲] مفتی غلام غوث خان بہادر ینخبر کو لکھا ہو: «قلہ! میرا ایک شعر ہو: خود پیش خود کفیل گرفتاری منست، آہ۔ یہ معاملہ میرا اور آپ کا ہو۔ خارج سو مسوم

ہوا کہ میں نے جو اغلاط برہان قاطع، کی نکال کر، ایک نسخہ موسوم بہ "قاطع برہان" لکھا ہے اور ایک جلد اوس کا آپ کو بھی بھیج دیا ہے، آپ اوس کی تردید میں کوئی رسالہ لکھ دے گی۔ اگرچہ باور نہیں آیا، لیکن عجب آیا، (اردو: ۲۸۵، نیز پنج آہنگ: ۲۳۶)۔

[۴: ۹۶] انگین، شہد کو کہتے ہیں، اور "نبرد"، مصری کو کہتے ہیں۔ ان معنوں میں کہ یہ مانند قد اور بتاسوں کے جلد ٹوٹنے والی نہیں۔ جب تک اس کو تیر سو نہ توڑو، مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ "بدر زدن"، اگرچہ لغوی معنی اس کے ہیں باہر مارنا، یعنی: بدر، باہر اور زدن، مارنا؛ لیکن روزمرہ میں اس کا ترجمہ ہو: نکل جانا۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا، تو یوں سمجھو کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں اور قد اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں۔ اور "بے مکھی میٹھاں کی عاشق ہو"۔ پس جو مکھی کہ مصری پر بیٹھی، وہ جب چاہے بے تکلف اوڑ جائے۔ اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھو گی، جب اوڑ کا قصد کریگی، پر وبال اوس کے شہد میں لپٹ جائیگی اور وہ مرکز دھماؤ گی۔

پس اب یہ کہتا ہے کہ میری معشوق کے ہونٹ شیرینی میں میری واسطی شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطی مصری، یعنی: وہ چاٹ کر، لطف اونٹھا کر، صبح و سالم چلا گیا، اور میں بھنس کر، وہیں مرکز، رہ گیا (اردو: ۳۹۰، لاہوری ایڈیشن)۔

[۵: ۹۶] یہ خیال ہے۔ یعنی: ایک گھر میں اوس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے، اور اوس نے جان لیا ہے کہ کون ہے؛ مگر بطریق تجاہل بھولا بن کر پرچہتا ہے کہ "آیا، اس گھر میں ایسا کون ہے کہ میرے، یعنی: آفتاب، نے اپنے سانس کے ٹکڑے، مرط شوق سے، دروازی کے روزن پر پھینک دیے ہیں؟ آفتاب کے خطوط شعاعی کا روزنوں میں پڑنا اور ان خطوط شعاعی کا، یعنی: سورج کی کرن کا، بصورت سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے (ایضاً: ۳۹۱)۔

[۶: ۹۶] "خندہ دندان نما"، اوس ہنسی کو کہتے ہیں، جو تسم سے بڑھ کر ہو، اور اوس میں دانت ہنس والے کے دکھائی دے۔ معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا، اور ہنستا کوئی اوس چیز پر ہے، جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے۔ حاصل معنی یہ: کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا، گویا، اوس نے یہ دعویٰ کیا کہ موتی اچھی چیز نہیں۔

اب دعویٰ کے واسطی دلیل ضرور ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میری معشوق کے دعویٰ پر دلیل بدیہی ہے۔ یعنی: ہنسی میں اوس کے دانت نظر آئے؛ معلوم ہوا کہ وہ حسن، جو لوگ موتی میں گمان کرتے تھے، وہ لغو ہے: حسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہو (ایضاً)۔

[۷: ۹۶] یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی، اور میری خواہشیں پوری نہ کیں، تو بس اب معلوم ہوا کہ میں لایق التفات کے نہ تھا۔ پس جب میں لایق توجہ کے نہیں، تو اب عالم عقی میں میری گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے؟ جب ہماری مطالب آپ نے ہم کو نہ دی، تو ہماری معاصی کا بھی شمار نہ کیجئے۔ جانی

شرح غالب - فارسی

- دیو. م میں اتمات کی ارزش نہیں (ایضاً: ۲۹۲).
- [۶: ۹۸] باعث ترك صحت را بجملا حاضر نشانت سازن و تفصیل آن را به بیان همدمان حواله کردن (بیج آهنگ: ۴۴).
- [۶: ۹۹] اظهار وفای خویش نسبت بحاکم یا بدوست (ایضاً: ۴۳).
- [۱: ۱۰۶] طلب عقد بطریق تنزل (ایضاً: ۴۴).
- [۵: ۱۰۶] بیان انتظار قاصد در امر مدبذ (ایضاً: ۴۱).
- [۶: ۱۱۲] اظهار حسن عقیدت بمقامه بی پروا، دوست (ایضاً: ۴۴).
- [۱: ۱۱۳] وصف لکت زمان (ایضاً: ۴۲).
- [۵: ۱۱۳] حواش حیات خود از جانب دوست از محبت نشمردن، و آن را بر شدت بیدردی گمان بردن (ایضاً: ۴۲).
- [۶: ۱۱۶] گروارش این معنی که وعده لطف در مستقبل چاره ناکامی، حال نمی تواند بود (ایضاً: ۴۳).
- [۱: ۱۲۶] اس غزل کی باری میں شبح امام بخش ناسخ لکھوی کو لکھا ہی: غزل کی ادبیں روزها نازگی در روش تازه گفته ام، بعد عذرخواهی، قصیر گوته قلی، بر حاشیہ مکتوب می نگارم، و چشم آن دارم کہ داغ محرومی، قول نہ بید، و از دیدہ بدل جاگزیند، (ایضاً: ۱۱۳).
- [۱: ۱۳۸] خواہش وصل و تقاضای عیش (ایضاً: ۴۱).
- [۳: ۱۴۵] استدعای عایت بہ نیب قطع محبت (ایضاً: ۴۴).
- [۵: ۱۴۹] «ماہ»، «مع الون»، بمعنی، «ما را»، مستعمل اہل زیارت (حاشیہ آ: ق، ۳۴). و در ب: «یعنی ما را»، (ق، ۱۱۱، الف). و بہر دو حا بخط خود غالب است.
- [۱: ۱۵۰] «ماہ»، «صیغہ امر از ماندن» (ایضاً). و در ب: «یعنی بگزار» (ق، ۱۱۱ ب). و بہر دو حا بخط خود غالب.
- [۵: ۱۵۳] گروارش شدت رنج و غم بطریق ترقی (بیج آهنگ: ۴۲). اس غزل کی باری میں امیں الدولہ کو لکھوی میں: «حالیا غزل می ازان اوراق نگاشته می شود، تا از سوز درون نامہ نگار خبر تواند داد»، (ایضاً: ۱۸۲).
- [۵: ۱۵۶] در موقع تعلیم صبر و شکیانی (ایضاً: ۴۲ و ۱۲۲).
- [۲: ۱۶۰] حوالہ مادہ شکایت بوحدان ضمیر مکتوب الیہ (ایضاً: ۴۲).
- [۷: ۱۶۶] «لیلی نکو»، «بدگویندہ لیلی» (حاشیہ آ: ق، ۳۸ ب، بخط غالب).
- [۲: ۱۶۷] درخور بیان گلہ بدعہدی و گراف پیشگی، دوست (بیج آهنگ: ۴۱).

رباعیات

[۱۷۷: ۴ و ۳] مولوی سراج الدین احمد کی نام کی خط میں فرماتے ہیں: "در سخن از پرورش یافتگان میدا، فیاض، و سواد معنی را بفروغ گوهر خویش روشن کرده ام۔ از هیچ آفریده، حق آموزگاریم بگردن، و بار منت رهنائیم بر دوش، نیست۔ غالب بگھر زدودہ زادتم۔ آہ۔" (ایضاً: ۱۵۵)۔

[۱۷۹: ۵ و ۶] اس رباعی کے متعلق حکیم مومن خان مرحوم کو لکھا ہے: "فروغ طالع گفتار، سلامت! دوش۔ اندیشہ دیوانگی پیشہ، یاروشتان سپہ مرزنتی کہ بہ برعاش انجامد، آغاز کرد، و تیغ دودم چارمین مصرع این رباعی دربیانہ آن ہفت فروزندہ پیکر بناد۔ آئم کہ بہ بیانہ من سابقہ دھر۔ آہ۔" (ایضاً: ۱۲۵)۔

[۱۸۱: ۳ و ۴] ذکا کو ایک مکتوب، مورخہ ۴ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ع، میں لکھا ہے: "دھر شخص فی قدر سال ایک ایک قدر دان پایا۔ غالب سوختہ اختر کو ہنر کی داد بھی نہ مل۔"

کسم بخود نہ یزیرفت و دھر بازم برد۔ جو نامہ کہ بود نا نوشتہ عنوانش یہ شعر میرا ہو، ولیمہ خسروی دہلی۔ میرزا فتح الملک بہادر مفلوک قصیدی کا۔ اور دیکھو ایک رباعی میری: دستم بکنید غزنی می بابت۔ آہ۔ (اردو: ۴۴)۔

[۱۸۲: ۳ و ۴] دیباچہ سراج المعرفت۔ مصنفہ مفتی سید رحمت علیخان بہادر، عرف مفتی میر لال۔ میں میرزا صاحب نے لکھا ہے: "سچ یہی تو ہے۔ آدمی کیونکر سمجھ سکے، اور بطلان بدیہیات کی جواز پر اوس کو کیونکر تسلی ہو؟ یعنی اس مجموع موجودات کو، کہ افلاک و انہم و بحار و جبال اسی میں ہیں، نیست و نابود محض جان نے اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے۔ ای کردہ بآرایش گفتار بسیج۔ آہ۔" (اردو: ۳۴۷)۔ لاہوری ایڈیشن، نیز پنج آمک: ۲۲۶ و کلیات نثر فارسی: ۲۵۹)۔

[۱۸۳: ۵ و ۶] اس رباعی کے متعلق سرور کو لکھا ہے: "میں پان سات برس سو بھرا ہو گیا ہوں۔ ایک رباعی چار قافیہ کی اس مضمون خاص کی میں نے لکھی ہے، برعایت صنعت ذوقائیت۔ دارم دل شاد و دینہ بینائی۔ آہ۔" (عود: ۱۱)۔

غزلیات

[۱۹۰: ۵] نہ بوجھ یغودی عیش مقدم سیلاب کہ ناچو ہیں پڑی سرسیر، در و دیوار
[۱۹۲: ۳] میرزا صاحب کے مکتوب بنام سرور کے اس حصے سے شعر کے مضمون پر روشنی
پڑتی ہے: "بندہ پرور! میرا کلام، کیا نظم، کیا نثر، کیا اردو، کیا فارسی، کبھی کسی عہد
میں میری پاس فرام نہیں ہوا۔ دوچار دوستوں کو اس کا التزام تھا، کہ وہ مسودات مجھ
سے لیکر جمع کر لیا کرتے تھے۔ سو اون کے لاکھوں روپے کے گھر لٹ گئی، جس میں ہزاروں
روپے کے کتابخانے بھی گئے۔ اوس میں وہ، مجموعہای پریشان، بھی غارت ہوئی، (عود: ۲۷)۔
[۱۹۲: ۵] ملاحظہ ہو، ۱۹۴: ۳۔

[۱۹۷: ۲] یہی مضمون اس شعر میں نظم کیا ہے:
رنج نومبسی، جاوید گوارا رہیو! خوش ہوں، گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں
اس غزل کے متعلق مہر کو لکھا ہے: "میرا کلام میری پاس کبھی کچھ نہیں رہا۔ نواب
صباہ الدین خان اور نواب حسین مرزا جمع کر لیتے تھے۔ جو میں نے کیا، اونہوں نے لکھ
لیا۔ ان دونوں کے گھر لٹ گئے۔ ہزاروں روپے کے کتابخانے برباد ہوئے۔ اب میں اپنے کلام
کو دیکھنے کو ترستا ہوں۔

کئی دن ہوں کہ ایک فقیر، کہ وہ خوش آواز بھی ہے اور زمزمہ پرداز بھی ہے، ایک غزل
میری کہیں سے لکھوا لایا۔ اوس نے وہ کاغذ جو مجھ کو دکھایا، یقین سمجھنا کہ مجھ کو رونا آیا،
(اردو: ۲۵۹ و عود: ۱۰۸)۔

[۱۹۹: ۱] ملاحظہ ہو، ۲۳۶: ۳، ۲۳۷: ۰۳، ۲۹۱: ۰۷۔
[۱۹۹: ۶] یہی مضمون اس شعر میں بھی نظم ہوا ہے:
ہو کس قدر هلاک فریب وفای گل! بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہای گل
[۲۰۰: ۱] اسی مضمون کو قدری تغیر کیساتھ باندھتے ہیں:
پڑارہ، ای دل وابستہ! بیتابی سے کیا حاصل؟ مگر، بہر، تاب زلف پرشکن کی آزمایش ہو؟
[۲۰۰: ۵] ملاحظہ ہو، ۲۲۸: ۰۵۔

[۲۰۲: ۵] ملاحظہ ہو، ۲۳۵: ۰۵۔
[۲۰۴: ۷] فارسی میں بھی تقریباً یہی مضمون لکھا ہے:
غالب، نخورد چرخ فریب، ار ہزار بار گفتم: "بروزگار سختور چون بسیت"
[۲۰۵: ۳] ملاحظہ ہو، ۲۶۳: ۰۳۔
[۲۰۵: ۴] اس غزل کے پانچ شعر "مہر، کو لکھکر، مطلع کے باری میں فرمایا ہے: "دیکھنا،

شرح غالب - اردو

بیانی اس غزل کا مطلع کیا ہو :

جور نہو باز آئیں، بر باز آئیں کیا ؟ کہتے ہیں : ہم نچکو نہ دکھلائیں کیا ؟

(اردو: ۳۶۶ و عود: ۱۱۲ ، مگر یہ مصرع کی حفاظت آ و ب سے کیسے مختلف ہیں)۔

[۲:۲۰۶] ہر روزہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں : ہمیں تو اب روز و شب اس فکر میں

ہوں کہ زندگی تو یوں گزری، اب دیکھی، موت کیسی ہو؟ عمر پھر دیکھا کیا مرؤ کی راہ،

آہ۔ میرا ہی شعر ہو اور میری ہی حس حال ہو، (اردو: ۱۳۹ و عود: ۳۲)۔

[۱:۲۰۸] ملاحظہ ہو، ۴:۲۱۶۔

[۷:۲۱۲] ملاحظہ ہو، ۶:۲۱۶۔

[۱:۲۱۶] میرزا قنہ، کو لکھا ہو: کیوں ترک لباس کرتی ہو؟ پہنوں کو بھاری پاس

ہو گیا، جس کو اوتار کر پہنکو کر؟ ترک لباس سے قید ہستی مت نہ جانگی، بغیر کھاتی ہو

گزارا نہوگا، سختی و سستی، رنج و آرام کو ہموار کر دو، جس طرح ہو، اوسر صورت ہو

بہر صورت گردن دو: تاب لاؤ ہی بیگی غالب، آہ، (اردو: ۱۰۸)

علاقہ، کو تحریر کیا ہو: دیہاتیوں سے پھر نہیں ملا، بازار میں نکلتی ہوؤں ڈر لگتا ہو،

جواہر خردار، میرا سلام اخبریں کو اور اون کا سلام مجھ کو پہنچا دینا ہو، اس کو غیبت

جاننا ہوں: تاب لاؤ ہی بیگی غالب، آہ، (ایضاً: ۲۹۳)۔

[۴:۲۱۶] ملاحظہ ہو، ۱:۲۰۸۔

[۶:۲۱۶] ملاحظہ ہو، ۷:۲۱۲۔

[۱:۲۲۴] ملاحظہ ہو، ۴:۲۴۴۔

[۲:۲۲۴] ملاحظہ ہو، ۵:۲۶۹۔

[۱:۲۲۵] میرزا صاحب نے ایک خط میں قنہ، کو لکھا ہو: یعنی: اب جو دور

مجھ تک آیا ہو، تو میں ڈرتا ہوں، یہ سارا جملہ مقدر ہو، میرا فارسی کا دیوان جو

دیکھوگا، وہ ساری گا کہ جوں کہ جمل مقدر چھوڑ جاتا ہوں، مگر ہر سخن وقتی و ہر نکتہ مکانی

دارد، یہ فرق اتنے وجہاتی ہو، بیانی نہیں، (اردو: ۳۶۹، لاہوری ایڈیشن، ۱۹۳۷ ع

و خطوط: ۱:۲۵)۔

[۳:۲۳۷] ملاحظہ ہو، ۴:۲۶۹۔

[۴:۲۳۷] یہ شعر، قدری تغیر کیساتھ، شاہ عالم صاحب مارہروی کے خط میں لکھا ہو،

فرمان ہیں: حضرت صاحب عالم کی تمنای دیدار بقید مارہرہ کنایہ اس سے ہو کہ اور کہیں

کا بھی دیدار مطلوب ہو، خواہش وصل مقدر ہو، جو مذکور نہیں، (اردو: ۲۰۰)۔

[۵:۲۳۸] ملاحظہ ہو، ۵:۲۰۰۔

[۱:۲۳۱] اس غزل کے متعلق منشی شیونرائن کو اپریل سنہ ۱۸۵۹ ع میں لکھا ہو: ایک

دوست کے پاس اردو کا دیوان چھاپی ہو کچھ زیادہ ہو، اوس نے کہیں کہیں سے مسودات

شرح غالب۔ اردو

مضرب ہم پہنچا لو ہیں۔ چنانچہ پہنچا ہو گئیں، ویراں ہو گئیں، یہ غزل جھکو اوسى نوہات آگئی ہو، (اردو: ۳۶۸)۔

[۴: ۲۳۲] یعنی: اگر تیرا ملنا آسان نہیں، تو یہ امر مجھ پر آسان ہو۔ خیر، تیرا ملنا آسان نہیں، نہ سہی۔ نہ ہم مل سکیں گے، نہ کوئی اور مل سکو گا۔ مشکل تو یہ ہو کہ وہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں۔ یعنی: جس سے تو چاہتا ہو، مل بھی سکتا ہو۔ ہر کو تو ہم تو سہل سمجھ لیا تھا۔ مگر رشک کو اپنو اور آسان نہیں کر سکتو۔ (عکس خط غالب، دیوان اردو، ہدایوں ایڈیشن، ۱۹۲۳ ع)۔

[۱: ۲۳۴] ملاحظہ ہو، ۴: ۲۴۳۔

[۶: ۲۳۴] اس غزل کے متعلق قاضی عبدالجلیل بریلوی کو لکھتی ہیں: ”دل ہی تو ہو، آہ، ایک دوست کے پاس بغیۃ التیب والفاۃ کچھ میرا کلام موجود ہو۔ اوس سے یہ غزل لکھوا کر بیچسوں گا۔“ (اردو: ۲۱۲)۔ اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں: ”مولوی صاحب، کیا لطیف منی ہیں! داد دینا۔ حسن عارض اور حسن ظن، دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں۔ یعنی: صورت اچھی ہو اور گمان اوس کا صحیح ہو، کبھی خطا نہیں کرتا۔ اور یہ گمان اوس کو بہ نسبت اپنو، کہ میرا مارا کبھی بیٹتا نہیں اور میرا تیر غمزہ خطا نہیں کرتا۔ پس جب اوس کو اپنو پر ایسا پھروسا ہو، تو رقیب کا امتحان کیوں کرے؟ اس حسن ظن و رقیب کی شرم رکھ لے! ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کھایا تھا۔ رقیب عاشقی صادق نہ تھا، ہوسناک آدمی تھا۔ اگر پای امتحان درمیان آتا، تو حقیقت کھل جاتی، (عکس خط غالب، دیوان اردو، ہدایوں ایڈیشن، ۱۹۲۳ ع)۔

[۵: ۲۳۵] ملاحظہ ہو، ۵: ۲۰۲۔

[۱: ۲۳۶] اس مضمون کو حسب ذیل بیت میں بھی باندھا ہو:

کیا زہد کو مانوں؟ کہ نہر گرچہ ریائی، بادشاہی عمل کی طمع عام بہت ہو

[۳: ۲۳۶] ملاحظہ ہو، ۱: ۱۹۹، ۱: ۲۳۷، ۷: ۲۹۱۔

[۴: ۲۳۶] ملاحظہ ہو، ۴: ۲۴۷۔

[۷: ۲۳۷] ملاحظہ ہو، ۱: ۱۹۹، ۳: ۲۳۶، ۷: ۲۹۱۔

[۴: ۲۳۹] علاقائی کو تحریر کیا ہو: ”تمہاری دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہو، اور دیکھنا تمہارا موقوف اس پر ہو کہ تم یہاں آؤ۔ کاش! اپنو والد ماجد کیساتھ چل آؤ اور جھکو دیکھ جاؤ۔۔۔۔۔ تم جانو، تم کو غیر سو جو رسم و راہ ہو، آہ، (اردو: ۴۳۶)۔

[۱: ۲۴۱] مہر کو لکھتے ہیں: ”چل تم سو یہ پوچھا جاتا ہو کہ برابر کئی خطوں میں تم کو غم و اندوہ کا شکوہ گزار پایا ہو۔ پس اگر کسی یسدر در دل آیا ہو، تو شکایت کی کیا گنجائش ہو؟ بلکہ یہ غم تو، نصیب دوستان، در غور انزائش ہو۔ بقول غالب، علیہ الرحمہ:

شرح غالب - اردو

کسی کو دیکھ دل، کوئی نواسنج فضاں کیوں ہو؟

نہو جب دل ہی پلو میں، تو پھر منہ میں زبان کیوں ہو؟

ہو، ہو! حسن مطلع:

یہ سنہ آدمی کی غانہ ویرانی سکو کیا کم ہو!

ہوا تو دوست جس کا، دشمن لوس کا آسمان کیوں ہو؟

امسوس ہو کہ اس غزل کو اور اشعار یاد نہ آئی۔ اور اگر، خدا بخواتے باشد، غم دنیا

ہو، تو بھائی، ہماری محدود ہو۔ ہم اس بوجھ کو مردانہ اٹھا رہے ہیں، تم بھی اٹھاؤ،

اگر مرد ہو۔ بقول غالب مرحوم:

دلا یہ درد و الم بھی تو مقنن ہے، کہ آخر

نہ گسریۂ بحری ہو، نہ آہ نیم شبی ہو (اردو: ۲۶۸ وعود: ۱۱۰)۔

[۴: ۲۴۳] مہر کی نام کی خط میں ارشاد ہوتا ہے: "جناب مرزا صاحب! دل کا حال تو

یہ ہے: گھر میں تھا کیا جو ترا غم، آہ۔ یان دھرا کیا ہے، جو کوئی لونی گا۔ وہ خبر

محض غلط ہے (ایضاً: ۲۷۰، ایضاً: ۱۳۴)۔ نیز ۳۳۴: ۱ ملاحظہ ہو۔

[۴: ۲۴۴] ملاحظہ ہو، ۲۲۴: ۱۔

[۷: ۲۴۶] ملاحظہ ہو، ۲۷۲: ۵۔

[۴: ۲۴۷] ملاحظہ ہو، ۲۳۶: ۴۔

[۷: ۲۴۹] اس کے ساتھ یہ شعر بھی قابل ملاحظہ ہو:

غلط نہ تھا، ہمیں خط پر گمان تسلی کا نہ ماق دینۂ دیدار جو، تو کیونکر ہو؟

[۴: ۲۵۰] میر ہمدی کو لکھتے ہیں: "قرۃ العینین، میر ہمدی و میر مرغز حسین، مجھ سے

ناخوش اور گلہ مند ہوں گی اور کہتے ہونگو کہ دیکھو، ہمیں خط نہیں لکھتا۔

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں کاش! پوچھو کہ ماجرا کیا ہے

ماجرا یہ ہے کہ تمہارا بھی تو کوئی خط نہیں آیا، میں جس کا جواب لکھتا۔ (اردو: ۱۶۰)۔

[۲: ۲۵۴] ملاحظہ ہو، ۲۷۴: ۴۔

[۵: ۲۵۴] اس کا ہم مضمون یہ شعر ہے:

ہم نہیں امت کہ کہہ برہم کر نہ بزم عیش دوست

واب تو میری نلا کو بھی اعتبارِ انفسہ ہو

[۳: ۲۵۶] یہی مضمون اس طرح بھی نظم کیا ہے:

نظارہ کیا حریف ہو، اوس برق حسن کا، جوش بہار، جلوی کو جس کو قناب ہے؟

[۱: ۲۵۷] اس میں کوئی اشکال نہیں، جو لفظ ہیں، وہی معنی ہیں۔ شاعر اپنا مقصود کیوں

بتاؤ کہ میں کیا کروں گا؟ مبہم کہتا ہے کہ کچھ کرونگا۔ خدا جاز، شہر میں یا نواح شہر

میں تکیہ بنا کر، فقیر ہو کر، بیٹھ رہے، یا دیس چھوڑ، پردیس چلا جاؤ (خطوط: ۱۳۷۰)۔

شرح غالب - اردو

[۲: ۲۵۷] خواب انور الدولہ بہادر، شفق، کو تحریر کیا ہے: یہ دن مجھ پر بری گزرتا ہے۔ گرمی میں میرا حال بہتہ وہ ہوتا ہے، جیسا زبان سو پانی پیو والی جانوروں کا، خصوصاً اس نمود میں کہ ہم و ہم کا جھوم ہے۔ آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں، آہ، (اردو: ۳۱۱)۔

[۵: ۲۵۷] میر ہندی مجروح کو لکھتے ہیں: وہاں کو کیا پوچھو؟ قدر انداز فضا کی ترکش میں یہی ایک تیر باقی تھا۔ قتل ایسا عام، لوٹ ایسی سخت، کال ایسا بڑا، وہاں کیوں نہو؟ لسان الفیہ تو دس برس پہلے فرمایا ہے: ہو چکیں، غالب، بلائیں سب تمام، آہ۔ میان، سنہ ۱۲۷۷ کی بات غلط نہ تھی۔ مگر میں تو وہابی عام میں سرنا اپنے لائق نہ سمجھا۔ واقعی اس میں میری کسر شان تھی۔ بعد رفع فساد ہوا سمجھ لیا جائیگا، (اردو: ۱۸۶، و عود: ۹۰)۔

[۲: ۲۵۸] میرزا صاحب نے یہ اشعار لطیف احمد بلگرامی کے نام کے خط میں لکھے ہیں۔ فرماؤ ہیں: دگر ایجاد و تکوین، مولانا فضل حق ایسا دوست مر جاؤ، غالب نیم مرده نیم جان رہ جاؤ! مرے ہیں آرزو میں مرے کی، آہ۔ آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی، آہ۔ اگر جوان ہوتا اور بیمار، تو آپ سے دعای خیریت چاہتا۔ اسی برس کا بڑھا ہوا آیا ہوں۔ دعای مضرت کا امیدوار ہوں۔ شراب کینٹ اب بھی چھوٹی نہیں۔ نماز کا اب بھی عادی ہوتا نہیں، (اردو: ۴۲۰، لاہوری ایڈیشن)۔

[۲: ۲۶۳] ملاحظہ ہو، ۲۰۵: ۳۔

[۲: ۲۶۴] میرزا صاحب نے خواب انور الدولہ بہادر، شفق، کے خط میں یہ شعر نقل کیا ہے۔ فرماؤ ہیں: پیر و مرشد! بارہ ہجرت تھی، میں، تنگا اپنے ہلنگ پر لیٹا ہوا، حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا۔ میں تو کھولا، پڑھا۔ بیڑ کو انگرکھا یا کرتا گلی میں نہ تھا۔ اگر ہوتا، تو میں گریبان پہاڑ ڈالتا۔ حضرت کا کیا جاتا؟ میرا نقصان ہوتا۔ سری می سنو۔ آپ کا قصیدہ بعد اصلاح بھیجا۔ اوسکی رسید آئی۔ کتنی کٹو ہوئے شعر اولیٰ آئے۔ اون کی قباحت پوچھی گئی۔ قباحت بتائی گئی۔ الفاظ قبیح کی جگہ پر عیب الفاظ لکھ دیے گئے۔ لو، صاحب، یہ اشعار بھی قصیدی میں لکھے لو۔ اس نگارش کا جواب آج تک نہیں آیا۔ شاہ اسرار الحق کے نام کا کاغذ اون کو دیا۔ جواب میں جو کچھ اونہوں نے زبانی فرمایا، وہ آپ کو لکھا گیا۔ حضرت کی طرف سے اس تحریر کا بھی جواب نہ ملا:

پر ہوں میں شکوی سے یوں، راگ سے جیسے باجا

اک ذرا چھٹیڑو، پھر دیکھو، کیا ہوتا ہے؟

سوچتا ہوں کہ دونوں خط بیرنگ گئے تھے۔ تلف ہونا کسی طرح متصور نہیں۔ خیر، اب

بہت دن کے بعد شکوہ کیا لکھا جاؤ، (اردو: ۲۰۳ و عود: ۶۰)۔

اسی خیال کو میرزا صاحب نے حسب ذیل شعروں میں بھی ادا کیا ہے:

شرح غالب - اردو

ہوں مرابا ساز آہنگ شکایت، کچھ نہ بوجھ
ہر یسی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑو تو مجھ

تم اپنی شکوی کی باتیں، نہ کھود کھود کی بوجھ
حذر کرو مری دل سے، کہ اس میں آگ دبی ہو

[۲۶۶: ۶] ۲۱ ستمبر سنہ ۱۸۶۰ ع کو، مولوی احمد حسن قنوجی کے خط میں لکھتے ہیں:
”یہ درویش گوشہ نشین تمہارا دوست اور تمہارا دعا گو ہو۔ تمہاری ہر کی طرز پسند،
تمہاری خواہش مقبول، جناب حکیم سید احمد حسن صاحب کی خدمت بگزار می منظور۔ عشق
و، آہ۔ ۶۵ برس کی عمر ہوئی۔ اضطلال قوی، ضعف دماغ، فکر مرگ، غم غمی۔ جو
آپ بھی دیکھ گئے ہیں۔ میں اب وہ نہیں ہوں۔“ (اردو: ۲۳۹)۔

میرزا فتح کے نام کے خط، مورخہ ۲۷ نومبر سنہ ۱۸۶۲ ع، میں یہ شعر بشیر نقل ہوا ہو۔
میرزا صاحب لکھتے ہیں: ”بھائی! مجھ میں کچھ اب باقی نہیں ہو۔ برسات کی مصیبت گزر
گئی۔ لیکن بڑھاپے کی شدت بڑھ گئی۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں، بیٹھ نہیں سکتا۔ اکثر
لیٹو لیٹو لکھتا ہوں۔“ تواب صاحب کی دس پندرہ غزلیں پڑی ہوئی ہیں۔

ضعف و غالب نکلا کر دیا۔ ورنہ ہم بھی آدمی نہیں کام کے (اردو: ۹۹)۔
[۲۶۸: ۳] ”مقابل و تضاد کو کون نہ جانتگا؟ نور و ظلمت، شادی و غم، راحت و رنج،
و وجود و عدم۔ لفظ، مقابل، اس مصرع میں بمعنی، مرجع ہو: جیسو، حریف کہ بمعنی،
دوست بھی مستعمل ہو۔ مفہوم شعر یہ کہ ہم اور دوست از روی خوبی و عادت ضد ہمدگر
ہیں۔ وہ میری طبع کی روانی دیکھ کر رک گیا۔“ (عود: ۱۵۸)۔

[۲۶۹: ۳] ”در پردہ ارنہیں غیر ہو ہو ربط نہائی ظاہر کا بہ پردہ ہو کہ پردہ نہیں کرتو
[۲۶۹: ۴] ملاحظہ ہو، ۲: ۲۲۷۔“

[۲۶۹: ۵] یوسف مرزا کو تحریر کیا ہو: ”بھائی! میں پہلو ہی جانتا تھا کہ یہ املاک قتل
ہوئی، اور وہ سوا لاکھ روپیہ، جو علاوہ زر مقررہ ملا ہو، وہ دلی کی املاک کا خونہا
ہو۔ پرسون ناظر جی کے نام کی سرنامی میں فرد نہرست مجموع املاک بھیج چکا ہوں۔ خیر،
یہ وار لیں خالی گیا۔ مولانا غالب، علیہ الرحمہ، خوب فرماتے ہیں: ”منحصر مرزو پہ ہو،
آہ۔“ (اردو: ۳۴۷)۔

سرور کو لکھتے ہیں: ”حضرت! سچ تو یوں ہو کہ غمہای روزگار فی ہجو گھیر لیا ہو۔
سانس نہیں لے سکتا، اتنا تنگ کر دیا ہو۔ ہر بات سو طرح سے خیال میں آتی، پر دل فی
کسی طرح نسل نپاتی۔ اب دو باتیں سوچا ہوں: ایک تو یہ کہ جنگ جیتا ہوں، یونہی
رویا کرونگا؛ دوسری یہ کہ آخر ایک نہ ایک دن مرونگا۔ یہ صفری و کبری دانفین ہو۔
نتیجہ اس کا تسکین ہو۔ ہیات منحصر مرزو پہ ہو، آہ۔“ (ایضاً: ۱۴۷)۔

شرح غالب - اردو

[۶: ۳۷۱] اس کے ساتھ یہ شعر بھی قابل ملاحظہ ہو :

نہیں معلوم ، کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا قیامت ہو ، مرثک آلودہ ہونا تیری موگاں کا
اس غزل کی شان نظم کے باری میں میرزا صاحب لکھتے ہیں : " چھاس برس کی بات ہو
کہ الہی بخش خان مرحوم نے ایک زمین نفی نکالی ، میں نے حسب الحکم غزل لکھی ،
بیت الغزل یہ : " ہلا دی اوک سو ساقی ، آہ ، " مقطع یہ :

اسد ، خوشی سو مری ہاتھ پاتو بھول گئی کجا جو اوس نے : " ذرا میری پاتو داب نو دی ،
اب میں دیکھتا ہوں کہ مطلع اور چار شعر کسی نے لکھے کر ، اس مقطع اور اوس بیت الغزل کو
شامل اون اشعار کے کر کے ، غزل بنائی ہو اور اوس کو لوگ گاؤ پھر تو ہیں ، مقطع اور ایک شعر
میرا ، اور پانچ شعر کسی اور کے ، جب شاعر کی زندگی میں گاؤ والے شاعر کے کلام کو مسخ کر
دیں ، تو کیا بید ہو کہ دو شاعر متوفی کے کلام میں متغیروں نے غلط کر دیا ہو ، (اردو: ۴۴۲)۔

[۵: ۳۷۳] ملاحظہ ہو ، ۲: ۲۴۶ ۔

[۴: ۳۷۴] ملاحظہ ہو ، ۲: ۲۵۴ ۔

[۳: ۳۷۶] ملاحظہ ہو ، ۱: ۲۸۸ ۔

[۵: ۳۷۹] ۷ فروری سنہ ۱۸۵۸ء کو مجروح کے خط میں فرماتے ہیں : " میرا حقیقی بھائی ،
میرزا یوسف خان دیوانہ ، بھی مر گیا ، کیسا پسین ، اور کہاں اوس کا ملنا ؟ یہاں جان کے
لالہ پڑے ہیں ، " " ہو مجھ کو قلم خون ، آہ ، " (اردو: ۱۵۶) ۔

[۷: ۳۷۹] " کیا کہو ، بھلا کہو ، یہ زمین ایک بار یہاں طرح ہوتی تھی ، مگر بحر اور می
تھی ، کہوں جو حال ، آہ ، " (اردو: ۲۶۸ و عود: ۱۱۱) ۔

[۲: ۳۸۰] شاعر کے استفسار پر میرزا صاحب نے تحریر کیا ہو :

زخم زوداد نہ دی تنگی ، دل کی ، یارب ! تیر بھی سینہ بسمل سو پر افشان نکلا
یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے نفی نکالی ہو ، جیسا کہ اس شعر میں : نہیں ذریعہ راحت ، آہ ،
یعنی : زخم تیر کی توہین ، بسبب ایک رخسہ ہونے کے ، اور تلوار کے زخم کی تحسین ، بسبب
ایک طاق سا کھل جانے کے ، زخم نے داد نہ دی تنگی ، دل کی ، یعنی زایل نہ کیا تنگی کو ،
پرافشان ، بمعنی ، بیتاب ، اور یہ لفظ تیر کے مناسب ، حاصل یہ کہ تیر تنگی ، دل کی داد کیا
دیتا ؟ وہ تو خود ضیق مقام سے گھبرا کر ، پرافشان اور سراسیمہ نکل گیا ، (عود: ۱۶۱) ۔

[۵: ۳۸۲] اس کے ساتھ ملاحظہ ہو ، ۳: ۲۵۶ ، نیز یہ بیت :

نظارہ کیا حریف ہو ، اوس برق حسن کا ؟ جوش بہار ، جلوہ کو جس کے نقاب ہو
[۱: ۳۸۴] اس غزل کے متعلق ۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۶۵ء کو علانی کو تحریر کیا ہو : " تم نے
اشعار جدید مانگو ، خاطر تمہاری عزیز ، ایک مطلع ، صرف دو مصرعوں ، آگے کے کہو ہو
یاد آگئی کہ وہ داخل دیوان بھی نہیں ، اون پر فکر کر کے ، ایک مطلع اور پانچ شعر لکھے کر ،
سات بیت کی ایک غزل تم کو بھیجتا ہوں ۔

شرح غالب - اردو

بھائی! کیا کہوں کہ کس مصیبت سے یہ چہ بیتیں ہاتھ آتی ہیں اور وہ بھی بلند رتبہ نہیں۔ لو، صاحب، تمہارا فرمان ہنسا تو امان بجا لایا۔ مگر اس غزل کا مسودہ جیسی پلٹ نہیں ہے۔ اگر باحیاط رکھو گی اور اردو کے دیوان کے حاشیہ پر چڑھا دو گے، تو اچھا کرو گی۔ (اردو: ۳۹۳)۔

عرشی عرض کرتا ہے کہ اردوی معل میں اس مطلع کے مصرعوں میں تقدم و تاخر ہو۔ نیز چار شعر مطبوعہ دیوان سے زائد ہیں۔

[۲: ۲۸۸] مرزا حاتم علی مہر کے نام کے خط میں، یہ مقطع اور مطلع نئی بہت سہی غم گیتی، شراب کم کیا ہے؟ غلام ساقی کوڑھوں، جھکو غم کیا ہے؟ لکھا ہے (ایضاً: ۲۴۸)۔

[۱: ۲۸۵] علانی کے محوۃ سابق خط میں: "تاب لازمی بینگی غالب"، کیساتھ یہ مطلع بھی لکھا ہے (اردو: ۳۹۳)۔

[۵: ۲۸۷] یہی مضمون اس شعر میں بھی نظم کیا ہے: دل و مژگان کا جو مقدمہ تھا آج، پھر، اوس کی روبکاری ہو [۱: ۲۸۸] ملاحظہ ہو، ۳: ۲۷۶۔

[۲: ۲۸۸] علانی کو لکھتے ہیں: "اپنا یہ مصرع بار بار پڑھتا ہوں: ای مرگ ناگہان، تمہی کیا انتظار ہے؟

مرگ اب ناگہانی کہاں رہی؟ اسباب و آثار سب فراہم ہیں۔ ہاں! الہی بخش خان مغفور کا کیا مصرع ہے: "آہ! جی جاؤں، نکل جاؤ اگر جان کہیں، آہ"۔ (اردو: ۴۳۳)۔

تفتہ کو لکھا ہے: "میرا حال اس فن میں اب یہ ہے کہ شعر کئی کو روش اور اگلو کہی ہوئے اشعار، سب بھول گیا۔ مگر ہاں، اپنی ہندی کلام میں سو ڈیڑھ شعر، یعنی: ایک مقطع اور ایک مصرع، یاد رہ گیا ہے۔ سو گاہ، گاہ، جب دل اولٹنے لگتا ہے، تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے:

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالب ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے؟ پھر جب سخت گھبراہٹ ہو اور تنگ آتا ہوں، تو یہ مصرع پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں: ای مرگ ناگہان! تمہی کیا انتظار ہے؟ (ایضاً: ۱۲۴ و عود: ۱۰۰)۔

[۴: ۲۸۸] ۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو سیاح کو تحریر کیا ہے: "تم برا نہ مانو۔ کسواسطی کہ اگر میں برا ہوں، تو اوس نے سچ کہا، اور اگر میں اچھا ہوں اور اوس نے برا کہا، تو اوس کو خدا کے حوالہ کرو۔ غالب، برا نہ مان، جو دشمن برا کہیں، آہ"۔ (اردو: ۲۳)۔

[۱: ۲۸۹] ملاحظہ ہو، ۵: ۲۳۵۔ یہ شعر بھی اس کا مضمون ہے: آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد مجھ سے مری گئے کا حساب، ایخدا، نہ مانگ [۵: ۲۸۹] ملاحظہ ہو، ۶: ۲۱۲۔

شرح قالب - اردو

[۲:۲۹۰] دیکھو یہ دہرہ کا عطف ۴۰، مرہمینی، لیکن (اردو: ۲۸۶، لاہوری ایڈیشن، ۱۳۷۰ء)۔
[۴:۲۹۱] ملاحظہ ہو، ۱۹۹: ۱، ۲۳۶: ۳، ۲۳۷: ۷۔

مثنوی

[۴:۳۰۶] میرزا صاحب نے آم کی تعریف میں جو لطیف تشبیہیں اور پاکیزہ استعارے استعمال کیے ہیں، اردو ادب میں ان کی مثال ملنا دشوار ہے۔ مگر ابو المکارم امیر خان حسینی ہروی نے فارسی میں ایک مثنوی آموں کی تعریف میں لکھی تھی۔ مناسبت مقام کا تقاضا ہے کہ اوس کے چند شعر یہاں ضرور نقل کیے جائیں۔ وہ فرماتی ہیں:

ز وصف انہ، چون گویم کہ چونت ؟	کہ از رشک شرایش، شد خونت
ز نام او، چو گیرم لغت قند	زبان با کام، و لب یال لب، شود بند
بختی، مسجو لعل، اما شکر بار	بنری، چون طلای دست افشار
بطفی، چون دل معشوق، تنگ است	بہ پیری، چون رخ من، زود رنگ است
ز شیرین کاریش، چون خل عمل شد	ز مرد با زر و یاقوت حل شد
شرایش بہتر از شیر و شکر هست	گہی ہم رنگ سیم و گاہ زر هست
بصورت مردم و جایش بر اشجار	کلیم آرزو را شعلہ نار

(معلومات الآفاق: ۴۴، طبع نولکشور پریس، سنہ ۱۸۷۳ ع)۔

قطعات

[۶:۳۱۵] ۲۰ جولائی سنہ ۱۸۶۰ ع کو فتنہ کے خط میں لکھا ہے: وہاب میری کہانی سنو۔ آخر جون میں صدر پنجاب نے حکم آگیا کہ ہندوستان ماہ بماء نہ پائیں، سال میں دو بار، بطریق ششماہ، فصل بفصل پایا کریں۔ ناچار، ساہوکار نے سود کاٹ کر روپے لیا گیا، تا رامپور کی آمد میں مل کر صرف ہو۔ یہ سود چھ مہینوں تک اسی طرح کٹوان دینا پڑیگا۔ ایک رقم معقول گھٹائی میں جاتی گی: رسم ہے مردہ کی چھابھی ایک، آہ (اردو: ۷۴)۔

اختلاف نسخ-فارسی

[اس حصہ میں پہلے ہندو صفحات کو اور دوسرے سطروں کو ظاہر کرتے ہیں۔
مگر سطریں شمار کرتے وقت غزلوں کے عنوان چھوڑ دیے گئے ہیں۔

فارسی متن کے مقابلے اور تصحیح میں، حسب ذیل چار نسخے پیش نظر رہے ہیں۔

آ: دیوان فارسی کے انتخاب کا وہ قلمی نسخہ، جو میرزا صاحب نو ستمبر سنہ ۱۸۶۶ع میں نواب خلد آشیان (طاب ثراہ) کی خدمت میں نذر گزارا تھا۔ اس کے صفحات ۵-۹ میرزا صاحب کے اپنے قلم کے مکتوبہ ہیں۔

ب: کلیات فارسی کا وہ قلمی نسخہ، جو میرزا صاحب کی طرف سے مارچ سنہ ۱۸۶۱ع میں، نواب فردوس مکان (طاب ثراہ) کے حضور میں ڈاک کے ذریعے سے پیش ہوا۔ خود میرزا صاحب کی تصریح کے مطابق، یہ نسخہ نواب غفر الدین خان مرحوم کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔

ج: کلیات فارسی کا پہلا مطبوعہ نسخہ، جو سنہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) میں مطبع دارالسلام دہلی میں چھپا؛ اس ایڈیشن کی ایک کاپی ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی (الہ آباد) کے پاس، اور اس ایڈیشن کی ایک برائی نقل کتابخانہ عالیہ رامپور میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نسخے میں آخری دو صفحے غائب ہیں۔ مگر نسخہ رامپور کے خاتمی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اشعار کی تعداد ۶۶۷۲ ہے۔

د: کلیات فارسی کا وہ مطبوعہ نسخہ، جو منشی نولکشور کے اہتمام سے ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۳ع) میں چھپ کر شائع ہوا۔ اس نسخے کے خاتمی میں اشعار کی تعداد ۱۰۴۲۴ ظاہر کی گئی ہے۔

۱۱: ۹: آ: تمام قلمی اور مطبوعہ نسخوں	۲۴: ۶: آ: دہن مایہ زبان خط بہ بیانہ ماہ۔
کی برخلاف، آ میں اس جگہ غزلوں کی	۲۴: ۷: آ: دای گل از نقش باقی دامان
ترتیب مختلف ہے۔ چونکہ قرینی سے ثابت	تراء۔
ہوتا ہے کہ یہ کتاب کے حصہ کا نتیجہ	۲۴: ۸: ب، ج، د: دکرده۔
ہے، بنابرین ب، ج وغیرہ کے مطابق،	۲۴: ۹: آ: دتا بخون کہ۔
ترتیب غزلیات کو درست کر دیا گیا ہے۔	۲۵: ۱۰: د: دہشم۔
۱۲: ۱۱: ب، ج، د: ددحت نام۔	۲۵: ۳: آ: داز سلی۔
۱۳: ۱۰: د: دگردم۔	۲۵: ۵: آ: دگزارد منور جانان را۔
۱۶: ۱۰: د: دافساند۔	۲۵: ۱۲: آ: دعامان را۔
۲۳: ۶: آ: دکن۔ دگلرد۔	۲۸: ۶: آ: داز رخ۔

اختلاف نسخ - فارسی

- ۳۸: ۱۰: آ: دیم از خم. .
 ۳۹: ۸: آ: دگرزندست. .
 ۳۹: ۹: آ: دبیره. .
 ۳۱: ۳: آ: دبر آتیه. .
 ۳۸: ۱: ب: دساختم. .
 ۳۸: ۹: ب، ج: داگر. .
 ۴۰: ۴: آ: ددرگمان. .
 ۴۸: ۴: آ: دباده مینا. .
 ۵۰: ۲: د: دآب از رخ. .
 ۵۴: ۳: آ: درماده (بضم رای مبله). .
 ۶۲: ۱: ب: دچین: کار. ره شعر دیوان کو
 کسی نسخی مین موجود نہیں (.)
 ۶۵: ۸: ب: دمحیطت گران هیچ. .
 ۶۷: ۶: آ: دگلشت. .
 ۶۸: ۲: آ: دزهرآب. .
 ۷۶: ۱۱: آ: دسکساری. .
 ۸۰: ۵: د: دخوشه. راس کو بعد والی
 ایدیشن مین دخواشا. هو (.)
 ۸۰: ۹: آ: دبنوت بمن. .
 ۸۳: ۸: د: دخواب ناز. .
 ۸۶: ۱۱: ب: دجهنم (بضم نون). .
 ۸۸: ۹: ب، ج: دنشفه. .
 ۹۸: ۵: آ: دشتم. .
 ۱۰۰: ۱۱: ب: دمیگردی. (آ میں بھی
 اسبطرح تھا. لیکن تصحیح کو وقت
 میرزا صاحب نو گاف کا ایک مرکز چاقو
 سو چیل دیا هو.)
 ۱۰۱: ۳: ب: دباید آشیان گه شده. .
 ۱۰۱: ۷: آ، د: دبرگ من یاد آره. .
 ۱۰۲: ۸: آ: دسبه. ندارد. .
 ۱۰۶: ۳: آ: دیاموزه (صرف ایک جگہ).
 ۱۰۷: ۳: ج، د: دیاسودن. .
 ۱۰۷: ۸: آ: دکامی کامی. .
 ۱۰۸: ۵: ب: دکاشانه گزین. .
 ۱۱۳: ۱۲: آ: دبری. .
 ۱۱۳: ۹: آ: دگر. .
 ۱۱۴: ۸: آ: دجان راه. .
 ۱۱۵: ۴: ب، ج، د: دگو. (آ میں بھی
 اسبطرح تھا. لیکن ایک مرکز میرزا
 صاحب نو چیل دیا هو.)
 ۱۱۶: ۲: ب، ج، د: دکاین. (آ میں بھی
 اسبطرح تھا. لیکن میرزا صاحب نو دے
 کا شوشه چیل دیا هو.)
 ۱۲۰: ۹: د: دباموزگار هم. (آ میں بھی
 اسبطرح تھا. لیکن میرزا صاحب نو ده.
 کو چیل کر اوس کی جگہ دے لکھی هو.)
 ۱۲۱: ۱۰: آ: دآزاری من. .
 ۱۲۵: ۵: آ: دگرانه. .
 ۱۲۸: ۱: ب، ج، د: دروزگارانه. .
 ۱۲۸: ۵: ب: دکدای. .
 ۱۲۸: ۶: آ: دانتظار داشتم. .
 ۱۳۰: ۵: ۶، ۷: دشرکی قلی اور مطبوعه
 نسخی مین نہیں پایا جاتا.
 ۱۳۱: ۲: آ: ددرحلقه کشاکش آتش گرفته
 ایم. (تمام نسخوں کو مطابق، به مصرع
 غزل کو آھویر بیت سو تعلق رکھتا هو.)
 ۱۳۶: ۳: آ، د: دتاز گان. .
 ۱۳۸: ۲: آ: دگردان. .
 ۱۳۸: ۵: آ: دوشدیشیم. .
 ۱۴۸: ۶: ب، ج، د: دهمچون. .
 ۱۴۸: ۱۱: آ: دچنین (دونوں جگھوں پر).
 ۱۵۱: ۸: آ: دزورین گمانان. .

اختلاف نسخ - فارسی

۱۷۰: ۲، ب: دخلخ، (فتح لام مشدد).	۱۵۳: ۹، آ: دجیم.
۱۷۱: ۳، آ، ب: وگونی، و آ: وفتنوی.	۱۵۴: ۷، آ: دیارت.
۱۷۶: ۴، ب، ج: وفتنه.	۱۵۵: ۱۳، ب: وطاقف هفتاد سال.
۱۷۶: ۸، د: وایم.	۱۵۹: ۱، آ: شاهان.
۱۷۷: ۱۱، آ: ودر جلوه.	۱۶۲: ۴، ب، ج: ودل کم گفته.
۱۷۹: ب، ج: ورباعی، ۸، ندارد.	۱۶۳: ۱، آ: ودر وقت.
۱۸۱: ۱۱، ب: ولف وگرم.	۱۶۶: ۲، آ: وده، ندارد.
۱۸۲: ۹، ب: ودر زلف.	۱۶۷: ۵، آ: وقره، ندارد.

اختلاف نسخ - اردو

[اردو متن کے مقابل اور تصحیح میں ، حسب ذیل آٹھ نسخوں سے مدد لی گئی ہو :
 آ : دیوان اردو کا انتخاب کا وہ نسخہ ، جو ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع میں ، میرزا صاحب ف نواب خلد آشیان (طالب تراء) کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا . اس کے صفحات ، ۱۴۰۱۲۰۶ ، وغیرہ پر میرزا صاحب کے قلم کی اصلاحیں پائی جاتی ہیں .

ب : دیوان اردو کا وہ قلمی نسخہ ، جسے میرزا صاحب ف مئی سنہ ۱۸۵۷ ع میں نواب فردوس مکان (طالب تراء) کے حضور میں بذریعہ ذاک ارسال کیا تھا . اس کے آخر میں نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر کی تقریظ بھی شامل ہے ، جو دراصل سنہ ۱۲۵۴ ھ (۱۸۳۹ ع) میں لکھی گئی تھی ؛ لیکن زیر نظر نسخہ میں اس کی تاریخ بدل کر ۱۲۷۱ ھ بنا دی گئی ہو . اس تقریظ کے مطابق ، اشعار کی تعداد ۱۶۹۰ اور کچھ ہو . اس نسخہ میں بھی میرزا صاحب کے قلم کی اصلاحیں موجود ہیں .

ج : دیوان اردو کا وہ مطبوعہ نسخہ جو شعبان ۱۲۵۷ ھ (اکتوبر سنہ ۱۸۴۱ ع) میں ، سید محمد خان بہادر کے چچا خانو ، واقع شہر دہلی ، میں طبع ہو کر شائع ہوا تھا . اس کے آخر میں بھی مذکورہ بالا تقریظ ہو ؛ لیکن اس کی تاریخ تحریر ۱۲۵۴ ھ اور تعداد اشعار ۱۰۹۸ ہو . اس ایڈیشن کی ایک کاپی پلک لاہوری ، رامپور ، میں اور اس کی پرانی قلمی نقل ، جس میں ناقل ف سرورق کی عبارت بھی نقل کی ہو ، کتابخانہ سرکاری میں موجود ہو .

د : دیوان اردو کا وہ نسخہ جو مئی سنہ ۱۸۴۷ ع (۱۲۶۳ ھ) میں مطبع دارالسلام دہلی سے شائع ہوا . اس کے آخر میں بھی مذکورہ بالا تقریظ شامل ہو . فرق صرف اس قدر ہو کہ تعداد اشعار یکہزار و یکصد و ائد ، بنا دی گئی ہو .

اس ایڈیشن کی ایک کاپی یونیورسٹی لاہوری ، دہلی ، میں محفوظ ہو . آجکل اس کی نقل کتابخانہ عالیہ رامپور کیلئے تیار کی جا رہی ہو . اس نسخہ کا ۱۵ سطری مسطر اور تعداد صفحات ۹۸ ہو . ہاں ، زیر نظر نسخہ میں صفحات ۵-۸ نثار د ہیں .

ه : دیوان اردو کا وہ نسخہ ، جو ۲۰ محرم سنہ ۱۲۷۸ ھ (۱۸۶۱ ع) کو دہلی کے مطبع احمدی میں ، باہتمام اموجان طبع ہوا . اس کے آخر میں میرزا صاحب کی ایک تحریر بعنوان "عبارت خاتمہ دیوان ، چھپی ہو . اس سے معلوم ہوتا ہو کہ میرزا صاحب ف اس کی کاپیوں کی خود تصحیح کی تھی . لیکن لفظ "کسی" کی جگہ "کسو" کاتب ف اتق مضامات پر لکھ دیا تھا کہ آخر تھک کر میرزا صاحب ف اوسے علی حالہ چھوڑ دیا .

و : دیوان اردو کا وہ نسخہ ، جو نسخہ د سے ذیحجہ سنہ ۱۲۷۸ ھ میں ، کانپور کے مطبع نظامی میں چھپا . نسخہ آ دراصل اسی سے نقل کیا گیا ہو .

اختلاف نسخہ - اردو

ز: میرزا اردو کا وہ نسخہ، جو عثمانی شیونرین نے اپنے مطبع مطبوعہ خلائی، آگرہ، میں سے ۱۸۷۳ء میں چھاپ کر شائع کیا۔ اس نسخہ کی ترتیب نسخہ ب کے مطابق ہے۔
ح: میرزا اردو کا وہ نسخہ، جو نظامی پریس، بلا یوں، سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔ اس نسخہ کی تصحیح میں نسخہ ب نے مدد لی گئی ہے۔

- ۱۸۷: ۸، آ، ج، ۵۰، و: دایک۔
۱۸۷: ۱۰، ۵: دہرایک قطرہ خون۔
۱۹۷: ۱، ب، ۵: دتہا۔ ز: دتہا۔
۱۹۸: ۴، آ، و: داورس کی۔
۱۹۹: ۶، آ: ددرا۔
۲۰۰: ۶، آ: دپہرا تیرا۔
۲۰۲: ۶، آ، و، ز: دخورشید۔ (میرزا صاحب ذایک مکتوب میں صراحت کر دی ہے کہ لفظ دخور، کو تہا دخور، اور باضافہ دشید، دخورشید، لکھنا چاہیے۔ اس لیے ہر جگہ بحذف و لکھا گیا ہے۔)
۲۰۳: ۱، آ: دآبہ۔
۲۰۳: ۸، ب، د، ز: ددست و خنجر قاتل۔
۲۰۴: ۱۲، آ، و: دنگ سجدی۔
۲۰۷: ۳، ۵: دیداد۔ (آ میں یہی اسطرح تھا۔ لیکن میرزا صاحب نے اپنے قلم سے درست کر دیا ہے۔)
۲۱۱: ۱۰، آ: دبادہ ساغر۔
۲۱۲: ۷، آ: دآپ ندارد۔
۲۱۳: ۶، آ: دآتش برستی ہے۔
۲۱۳: ۹، آ: داور۔ (ہر جگہ بضما لفظ لکھا ہے۔)
۲۱۳: ۱۰، آ: دکان اور۔
۲۱۷: ۸، ح: دہوژنک۔ (اسطرح تمام جدید الطبع نسخوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ جدید طور پر ہے۔ پرانا عاوردہ وہی ہے، جو تمام قدیم قلمی و مطبوعہ ۱۹۶: ۵، آ، ب، د، د: دنگت۔
۱۸۷: ۸، آ، ج، ۵۰، و: دایک۔
۱۸۷: ۱۰، ۵: دہرایک قطرہ خون۔
(میرزا صاحب نے نواب فردوس مکان، ناظم، کے مصرع: دیوں تو ہو جاتا ہے ہر ایک عیش و عشرت کا شریک، میں دہریک بنا کر لکھا ہے: دجہاں دہر ایک، اچھی طرح نہ آؤ، وہاں دہریک، لکھی، دہرایک، کیوں لکھی۔ نیز پیسوں غزل کے تیسرے شعر میں کاتب نے دہرایک لکھا تھا۔ اس خود میرزا صاحب نے، لفظ کائنات، دہریک بنایا ہے۔)
۱۹۰: ۶، آ، د: دہرایک۔ ب، ج، ۵: دہریک۔ د، ح: دہراک۔
۱۹۰: ۱۴، آ، ج، د، ۵، و: دایک۔ ب، ز: داک۔ (میرزا صاحب نے نواب فردوس مکان، ناظم، کے مصرع: درگتوں میں ابھی اک دل منگامہ گریں ہم، کے مقابلے شایہ پر لکھا ہے: دیان، ایک، کی جگہ داک، درست ہے، مگر دہر، کیساتھ دہریک، ہو، نہ دہراک،)۔
۱۹۱: ۶، آ: دجاندادہ جاں ہوائی۔
۱۹۲: ۶، ب، ج، د، ۵: دیک دیوان۔
۱۹۲: ۸، ح: دپہرژنک۔
۱۹۵: ۱۱، آ، و: دخواناب۔ (اسی طرح آ اور و میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔)
۱۹۶: ۵، آ، ب، د، د: دنگت۔

اختلاف نسخ - اردو

[illegible]

اختلاف نسخ - اردو

- ۲۹۴: ۱۱، آ: «ہو»۔
 ۲۹۵: ۱۴، آ: «تراء»۔
 ۲۹۸: ۲، آ: «دی»۔
 ۳۰۳: ۱۳، ب، ز: «دکھاوون گا»۔
 ۳۰۵: ۳، ب، ج، «و»: «خامہ ذ بانى
 طيبت سرمدہ»۔ (آ میں بھی اسطرخ
 تھا۔ لیکن میرزا صاحب ذ ابو قلم سر
 ترمیم کی ہو)۔
 ۳۰۵: ۳، ح: «بادبان کو الھو»۔
 ۳۰۸: ۱۲، آ، «و»: «دیجیں ہیں»۔
 ۳۰۹: ۵، «و»: «یکبار»۔ ب: «ایک بار»۔
 ۳۱۱: ۲، آ: «در شبہ عدیل»۔
 ۳۱۲: ۱، آ: «تری»۔
 ۳۱۲: ۳، آ: «تراء»۔
 ۳۱۲: ۶، آ، «و، ح»: «چاہا»۔
 ۳۱۲: ۱۲، آ، «و، ز، ح»: «اسر»۔ ب،
 «و، ز»: «عمر»۔
 ۳۱۳: ۷، ج، د: «قطعہ در نمایش عنوان
 دلاوری گفتار، و آسان کردن اندوہ
 بشتیانی بر دل دلہر»۔ (بہ دوسرے قطعی
 کا عنوان ہو۔ دمیں «بر نمایش» ہو)۔
 ۳۱۵: ۱۳، «و، ح»: «تو»۔ (آ میں بھی
 اسطرخ تھا۔ میرزا صاحب ذ ابو قلم سر
 «تو» کاٹ کر «کہ» بنایا ہو)۔
 ۳۱۶: ۳، آ: «مری»۔
 ۳۱۶: ۳، ب، ز: «چہارم کا»۔
 ۳۱۷: ۷، ب، ز: «کاغذ باد کی طرح»۔
 لیکن صحت نامہ۔
 «صورت دود» بنایا گیا ہو)۔
 ۳۲۵: ۲، آ: «کتو»۔ «و، د، ہ»۔
 ۳۲۷: ۵، ب، د، «و، ز»: «مجس»۔ (بر
 ردیف اسطرخ ہو)۔
 ۳۷۸: ۴، ب، «و، د»: «شاہ»۔ (آ میں
 بھی اسطرخ تھا۔ لیکن میرزا صاحب ذ
 ابو قلم سر «شاہ» بنایا ہو)۔
 ۲۸۰: ۱۰، آ، «و»: «کہیں»۔
 ۲۸۱: ۶، آ: «دھڑکتی»۔
 ۲۸۲: ۴، ب، د، «و، ز»: «نجم»۔
 ۲۸۲: ۱۴، ب، د، «و، د»: «ہات»۔
 ۲۸۵: ۶، ب: «کوچہ»۔
 ۲۸۷: ۴، آ، د، «و، د»: «میری»۔ و: د:
 «بیجان کی»۔
 ۲۸۸: ۲، آ، ب، د، «و، د»: «جہان»۔
 ۲۸۹: ۷، «و، د»: «گر»۔ (آ میں بھی اسی طرح
 تھا۔ میرزا صاحب ذ اصلاح کر دی ہو)۔
 ۲۸۹: ۷، ب، «و، د»: «وہاں»۔
 ۲۹۳: ۱، ج: «مقتب قصیدہ منقبت علی
 مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ»۔ و: د:
 «افزایش آبروی گوہر سخن بہ شای ابو
 الایمہ حضرت علی مرتضیٰ، علیہ التحیۃ
 والثناء»۔ (عنوان قصیدہ ۱)۔
 ۲۹۴: ۱، ج: «انتخاب قصیدہ منقبت علی
 مرتضیٰ علیہ السلام»۔ و: د: «ایضاً فی
 المنقبہ»۔ (عنوان قصیدہ ۲)۔

اسریہ

آدم: ۲۱، ۸۱، ۱۰۷، ۱۸۰، ۲۸۵، ۳۱۴.	خسرو — پرور:
آذر: ۹۵، ۴۹.	خضر: ۶، ۵۱، ۱۱۱، ۱۲۱، ۱۷۱، ۲۴۹.
ابراہیم: ۴۶، ۹۵، ۱۲۲، ۳۱۱.	۲۵۶، ۲۸۳، ۲۹۱، ۳۰۸.
ابراہیم بن آدم: ۸۱.	خلغ: ۱۷۰.
ابلیس: ۱۲۳.	خلیل — ابراہیم:
ابن مریم — عیسیٰ:	طارا: ۷۸.
ادریس: ۶.	داؤد: ۱۶۳.
ارم: ۱۸۰.	دجلہ: ۲۸، ۱۲۶، ۱۵۱، ۱۶۰، ۱۶۹، ۱۹۵.
امر (عمرو): ۳۱۲.	رستم: ۱۶۳، ۲۹۹.
ایوب (ایوبی): ۵۹.	رضوان: ۵۷، ۱۸۷، ۲۰۰.
بابل (بابلیان): ۶۲.	روح الامین — جبریل:
بسطام (بسطامی): ۵۳.	روم: ۲۹۹.
بنداد (بندادی): ۵۳.	زادشم: ۱۷۷.
بہادر شاہ: ۲۹۹، ۳۰۳.	زردشت (زردشتیان): ۱۶۸.
بہمن (بہمنی): ۸۹.	زلیخا: ۴۲، ۶۸، ۲۷۲.
پارس (پارسی): ۱۴۳، ۷۰.	زمرم: ۱۰۸، ۲۹۰.
پرورز: ۱۰۲، ۱۱۹، ۱۷۲، ۲۲۸، ۳۰۹.	زھرہ: ۹۳.
تازی: ۱۴۳.	سام: ۲۹۹.
تسار: ۵۳.	سدرہ: ۳۰۹.
جام: ۲۹۹.	سعدی: ۸۸.
جبریل: ۹۳، ۱۲۳، ۲۹۳، ۳۱۱.	سکندر: ۶۲، ۷۸، ۲۸۳.
جم: ۵۵، ۶۱، ۶۲، ۲۶۲، ۲۸۵، ۲۹۹.	سلیمان (سلیمان): ۱۳، ۳۷۸.
جیحون: ۴۰، ۶۳، ۱۲۲.	سنجر: ۳۰۵.
حزین: ۶۳.	سہراب: ۱۶۳.
حرہ: ۱۹۵.	شداد: ۱۸۰.
خنا — ختن: ۴۶.	شیرورہ: ۱۷۲.

اسماء

۲۳۸۹، ۲۳۹۰	۱۱۹، ۱۲۰
کلیم - موسی .	۴۹ :
کوثر : ۴۹، ۹۰، ۹۰، ۱۱۶	سنبله : ۱۰۰ .
کره کن - فرهاد .	طوق : ۲۰۵ .
لقا : ۳۱۲ .	طوبی : ۳۱، ۴۹، ۸۱، ۳۰۹ .
لر اسب : ۵۵ .	طود : ۷۳، ۱۲۳، ۳۱۲، ۲۸۹ .
لیلی : ۱۱۹، ۱۲۵، ۱۶۶، ۲۷۹ .	جم (جسی) : ۶۱ .
عنون : ۱۱۹، ۱۲۵، ۱۶۶، ۲۷۶، ۲۷۹ .	حرب (عری) : ۶۱ .
محمد : ۳۰، ۳۱ .	عرفی : ۶۳ .
سرم : ۸۱، ۹۳ .	عیسی : ۶، ۱۲۱، ۱۶۳، ۱۶۸، ۲۰۹ .
سیحا - عیسی .	۲۷۸، ۲۸۳، ۲۸۶ .
منصور : ۱۵، ۶۵، ۸۳، ۲۲۷ .	غردین : ۳۱۰ .
موسی : ۱۲۳، ۳۱۱ .	فردند آذر - ابراهیم .
نخش : ۲۰۲ .	فرعون : ۱۲۳ .
نکیسا : ۱۵۳ .	فرنگک : ۵۳ .
نمرود : ۷۳، ۱۲۲، ۱۹۷ .	فرهاد : ۸۳، ۱۷۲، ۲۰۱، ۲۲۸، ۲۳۸ .
نوشاد : ۱۷۰ .	۳۰ :
نیل : ۶۳، ۱۲۳، ۳۱۱ .	فتانی : ۱۵۳ .
هاروت : ۹۳ .	قزم : ۱۵۶، ۲۷۹، ۲۸۷، ۳۱۱ .
هد : ۵۸ .	قیس - مجنون .
یعقوب : ۲۱۳، ۲۳۱ .	گمیر : ۸۹ .
ین : ۴۶ .	کبه : ۵۲، ۵۸، ۷۶، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۲۶ .
یوسف : ۶۸، ۸۹، ۱۸۸، ۲۰۱، ۲۱۳، ۲۳۹ .	۱۶۶، ۱۷۰، ۱۹۵، ۲۳۵، ۲۵۲ .

